نگرانِ اعلیٰ
مولانا مفتی محمود

ترجمانِ اسلام
ہفت روزہ
لاہور

دارالعلوم دیوبند
ایک تاریخ ساز واقعہ

اِنسانیّت کے بنیادی اِخلاقِ اربعہ

ایران کی سرحد پر روسی فوج کی نقل و حرکت

اداریہ

شمارہ ۱۷
قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسہ
۲۵ اپریل تا یکم مئی ۱۹۸۰ء

نازاں ہیں تجھ پہ سرورِ کونین دیوبند

قاری محمد اسحٰق حافظ سہارنپوری ایڈیٹر "نوائے وطن" انبالہ بھارت

اے دیوبند، عظمتِ اسلام کے ستوں / تُو ہی بتا کہ تجھ پہ میں قربان کیوں نہ ہوں
تُو نے کیا ہے پرچمِ اسلام کو بلند / تُجھ سے ہوئے ہیں لاکھوں مُسلمان بہرہ مند
تُو نے مٹائی دہر سے باطل کی تیرگی / پھیلائی گوشہ گوشہ میں ایماں کی روشنی
گمُراہیوں کے "دیو کو تو نے کیا اسیر" / بدعات و شرک ڈر کے ہوئے تجھ سے گوشہ گیر
دھوکہ نہ کھا سکی کبھی بھُولے سے بھی نظر / تیرے خمیر میں رہی تمیزِ خیر و شر
سالار و رہنما رہے، فرزند سب ترے / ایمان و آگہی کی جگر دار فوج کے
قیدِ قفس میں عمر خود اپنی گزار دی / آزادیٔ چمن کے لئے جان وار دی
ہرگز ڈرا سکے نہ جنھیں تیغ اور تبر / حق گوئیوں پہ ناز رہا جن کو عُمر بھر
قرباں کئے جنھوں نے مسرّت سے جان و تن / اپنے لہو سے سینچ دیا گلشنِ وطن
ہر دور میں دکھائی اُسے راہِ مستقیم / بھُولے گی قوم کیسے تری خدمتِ عظیم
رکھتا ہے آسماں سے بھی تُو مرتبہ دوچند / تیری زمیں کے ذرّے ستاروں سے ہیں بلند
آنکھوں کا نُور، قلب کا تو چین، دیوبند / نازاں ہیں تجھ پہ سرورِ کونین، دیوبند

میں آشنا ہوں تیرے وقارِ عظیم کا
وارث ہے اِس جہاں میں تُو خلدِ نعیم کا

ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور
جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۱۷
جمعتہ المبارک ۱۴ جمادی [illegible] ۱۴۰۰ھ
سرپرست
مولانا عبیداللہ انور
مدیر
اکرام القادری
مدیر معاون
عمیر الہاشمی
بدلِ اشتراک
سالانہ ۶۵ روپے
ششماہی ۳۳ روپے
سہ ماہی ۱۷ روپے
قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے
خط و کتابت : ترجمانِ اسلام چوک رنگ محل لاہور

۶۶۶

ایران کی سرحد پر روسی فوج کی نقل و حرکت

ایران کی مسلح افواج کے سربراہ جنرل ہادی نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ایران کی حد کے قریب روسی فوج کی بڑے پیمانے پر نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ جنرل ہادی نے کہا کہ ایران اس فوجی نقل و حرکت پر گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔

روسی فوج کی ایرانی سرحد پر نقل و حرکت سے متعلق آمدہ اطلاعات گو تشویشناک ضرور ہیں مگر خلاف توقع نہیں۔ روس کے ارادے اور عزائم پوری دنیا پر واضح ہیں، اور وہ جن مقاصد کے لئے ساری دنیا کی مخالفت مول لے کر یہ سب کچھ کر رہا ہے وہ کبھی اب طشت از بام ہو چکا ہے

گو ایرانی مسلح افواج کے سربراہ نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ اس بات کی کوئی علامت نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ نقل و حرکت ایران پر حملے کی تیاریوں کے سلسلے میں ہے۔ انہوں نے اس نقل و حرکت کو محض جنگی مشقوں کا نام بھی دیا ہے۔

خدا کرے جنرل ھادی صاحب کا خیال ہی سو فی صد درست ہو، اور یہ نقل و حرکت محض روسی جنگی مشقیں ہی ہوں، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس نازک صورتِ حال میں ان جنگی مشقوں کی ایسی کونسی فوری ضرورت پیش آ گئی جن کا کرنا ناگزیر ہو گیا تھا جبکہ افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہوئے روس اپنی ایک لاکھ سے زائد فوج داؤ پر لگائے ہوئے ہے۔

اس کے علاوہ ایران اور امریکہ میں بھی ان دنوں زبردست آویزش چل رہی ہے اور امریکہ ایسی سپر طاقت آئے دن ایران کو دھمکیاں دے رہی ہے۔ ضرورت تو اس امر کی تھی کہ اس نازک وقت میں اگر ایران کی مدد نہیں کی جا سکتی تو کم از کم اسے ہراساں بھی نہ کیا جاتا۔ پچھلے دنوں روس الزام تراشی کرتا رہا ہے کہ پاکستان افغان مجاہدین کی مدد کر رہا ہے اور اسلحہ مہیا کر رہا ہے، جس کی تردید پاکستانی وزارتِ خارجہ نے صاف لفظوں میں کر دی، مگر روس "میں نہ مانوں" کی روش پر

آغا [illegible] پرنٹر پبلشر مولانا عبیداللہ انور نے زرنگار پریس [illegible] لاہور [illegible]

گامزن رہا اور پاکستان پر مسلسل الزام تراشی کرتا رہا۔ اب روس نے ایران کی سرحد پر خود فوجی نقل و حرکت شروع کر دی ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ اس سے تو اس شبہ کو مزید تقویت ملتی ہے کہ روس ایران اور پاکستان کے راستے تیل کے چشموں تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوسناک یہ خبر ہے کہ ایران اور عراق باہم متصادم ہو گئے ہیں۔ ایرانی فوج نے عراق کے تین فوجی اڈے اور گیارہ ٹینک تباہ کر دیے ہیں سرحدی علاقے میں زبردست جنگ ہو رہی ہے، اور ایرانی فوج کو مزید کمک بھیج دی گئی۔

مسلمانوں کی یہ سب سے بڑی محرومی اور بدقسمتی ہے کہ وہ آپس میں ٹکرا ٹکرا اپنی قوتوں کو پامال کرتے رہتے ہیں اور بڑی طاقتوں کو من مانیاں کرنے کے مواقع فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح سے مسلمانوں کی قوّت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے اور طاغوتی طاقتیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سرگرداں ہیں۔

اوّل تو مسلمانوں کے پاس مادی وسائل طاغوتی طاقتوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہیں اور جو کچھ تھوڑے بہت قدرتی وسائل ہیں وہ بھی باہمی آویزشوں میں صرف ہو کر تباہ و برباد ہوتے رہتے ہیں۔ افغانستان میں روس کے ہاتھوں افغان مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے اور ایران و عراق کس دھندے میں لگے ہوئے ہیں، ان ہر دو ممالک کو یہی وقت سوجھا ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا۔ حالات کی ستم ظریفی کو سمجھنے کے لئے دیدہ عبرت نگاہ کی ضرورت ہے، اور ہمیں نہایت حزن و ملال اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان اپنے فرائض منصبی سے غفلت ہی نہیں برت رہے بلکہ اس کے برعکس کر رہے ہیں جو کچھ انہیں کرنا چاہیئے تھا۔

ہم ایران اور عراق کے سربراہوں سے دردمندانہ اپیل کریں گے کہ وہ حالات کے تقاضوں کو پہچانیں اور اپنے آپ کو تباہی و بربادی کے کنارے پر نہ پہنچائیں۔ ان کی اس لڑائی کا نقصان پوری ملتِ اسلامیہ کو پہنچے گا، اور اگر خدانخواستہ بڑی طاقتوں نے ان کی اس حماقت کا فضیحتی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کوئی ناٹک رچا دیا تو اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔

ملتِ اسلامیہ کا مفاد اسی میں ہے کہ عالم اسلام متفق و متحد رہے، اور اپنے معمولی مفادات کو اجتماعی ملی مفادات کے پیشِ نظر اہمیت نہ دے اس لئے کہ ملتِ اسلامیہ میں ربط ہوگا تو فرد کی ہستی قائم رہے گی ورنہ نہیں۔

آہ! حضرۃ مولانا احتشام الحق تھانویؒ

برصغیر پاک و ہند کے نامور خطیب مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اچانک انتقال کی اعصاب شکن خبر نے ان کے لاکھوں مداحوں کو سوگوار اور ششدر کر دیا۔ قضا و قدر کے فیصلے بھی عجیب و غریب اور انوکھے ہوتے ہیں۔ مولانا دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شرکت کی غرض سے ہندوستان جانے کا عزم لے کر گھر سے نکلے اور ہندوستان میں اس وقت پہنچے جب صد سالہ اجلاس کی تقریبات ختم ہو چکی تھیں۔

مولانا نے ہندوستان کے بعض علاقوں کا دورہ کیا اور مدراس بھی پہنچے مگر سیرت روحِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے سے خطاب کرنے سے قبل ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا کی خبر وفات سن کر قرآن کریم کی وہ آیات بار بار ذہن میں آئیں جن میں غیر اللہ کے لیے علوم خمسہ کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین پر اسے موت آئے گی اور کوئی نہیں

باقی ص۱۰ پر

عبدالفتاح ترجمان گل

مغرب کی نام نہاد آزادی

آج مسلمان مغربی ثقافت اپنانے کی دُھن میں اسلام کے سنہری اصولوں کو فراموش کرتے جا رہے ہیں۔ خاص کر وہ نوجوان طبقہ جو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ، ناواقف اور خواہشاتِ نفسانی سے مغلوب ہے، خاصا متاثر نظر آ رہا ہے، حالانکہ مغربی دنیا میں آزادی کے نام پر جو بے راہ روی ہو رہی ہے بنی نوع انسان کے لئے زہرِ ہلاہل ثابت ہو سکتی ہے۔

آجکل مغربی ابلاغ عامہ یہ مذموم پروپیگنڈہ کرنے میں سرگرم عمل ہے کہ اسلام نے انسانی آزادی سلب کر رکھی ہے اور انسان کو بنیادی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے، لیکن اگر حقائق کی روشنی میں سنجیدگی سے حقائق کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام نے ہی انسانیت کو قعرِ مذلت کے اندھیروں سے نکال کر عروج اور روشنی کے میناروں کی طرح گامزن کیا ہے اور انسانیت کی ایک ایسے معاشرے کی طرف رہنمائی کی جو عقل اور فہم انسانیت کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر سب کا ایک رشتہ خالقِ حقیقی سے جوڑ دیا۔ اسلام نے انسانیت کو خواہشِ نفسانی سے نکال کر احکام خداوندی کا تابعدار بنایا۔

جس دور کو مغربی اور اسلامی مفکرین زمانہ جاہلیت کے دور سے موسوم کرتے ہیں اگر دیکھا جائے کہ اس دور میں وحشی پن کیوں پیدا ہو گیا تھا تو یہ بات بالکل عیاں ہو جائے گی کہ اس دور کے معاشرے میں ایک طبقہ حیا، شرافت اور اخلاق سے بالکل عاری تھا، عصمت فروشی عام تھی۔ خواہشِ نفسانی پر عمل کیا جا رہا تھا۔ ان اخلاقی برائیوں کی وجہ سے اس معاشرے میں عیش پرستی اور تن آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ انسانی قدروں کے درمیان وہ رشتہ ٹوٹ چکا تھا جس کے پیچھے ایثار و قربانی اور باہم ہمدردی کے جذبات کارفرما ہوتے ہیں۔ اخوت کے جذبات ماند پڑ چکے تھے۔ ذاتی مفاد کی خاطر دوسروں کا خون بہانا معمولی بات تھی۔

اسلام نے ان وحشی انسانوں میں ایسے پاکیزہ اخلاق پیدا کر دیے جنکی بنیاد ایثار و ہمدردی کے جذبات تھے، دشمنوں کو آپس میں بھائی بھائی بنایا (انما المومنون اخوۃ) انسانیت کو اس کا مقام اور عظمت عطا کی۔

اسلام انسانی زندگی کی آزاد نقل و حرکت پر پابندی نہیں لگاتا بلکہ اس کے بارے میں اپنے پیروکاروں کے لئے چند حدود مقرر کی ہیں۔ ان حدود میں رہتے ہوئے وہ زندگی سے اصل معنوں میں لطف اٹھا سکتے ہیں۔ موجودہ بے راہروی نے انسانیت کو جس دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے اسلام اس بے راہ روی کے ضرور خلاف ہے۔ نام نہاد آزادی' آزادی ثابت نہیں ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ "آزادی" انسانیت کو دورِ جاہلیت کی طرف لوٹا رہی ہے جس دور میں بھائی چارے کا نام و نشان تک بھی نہیں تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تصنیف "اسلام اور غیر اسلامی تہذیبیں" کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

"اسلامی تہذیب اپنے اندر گمراہیوں سے پوری طرح بے نیاز کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر لوگ گفتار و کردار کی ان خوبیوں کو دیکھ لیں جنہیں خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہیں تو تجدید پسندوں کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنے پاکیزہ احوال، مقامات اور نتائج و برکات ہیں جن میں اس دنیا کی کامیابی و کامرانی کے راز پوشیدہ ہیں، بلکہ ان کا تو یہ حال ہے کہ اپنے کانوں کو قوتِ سماع سے محروم کر چکے ہیں انہیں دین میں حقیقت کی جھلک کیسے دکھائی دے سکتی ہے۔ انہوں نے مغرب کی تہذیب و تمدن اور ان کے طرز فکر

میں اپنا ترقی و کامرانی کی راہیں سمجھ کر اسا کو ملک میں عملاً نافذ کرایا۔ اس تحریک کے خلاف سر اٹھانے والے علماء کو سختی سے دبا کر انہیں مذہبی مقامات میں محصور کر دیا۔ اس کا نتیجہ آج دیکھا جا سکتا ہے کہ ترک عوام جن پریشانیوں اور بے چینی میں مبتلا ہے اور ملک میں جو عدم استحکام کی فضا قائم ہے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ترک عوام اور ارباب حکومت ملک میں استحکام پیدا کرنے اور عوام کو حقیقی سکون دینے کے لئے کیا کچھ تگ و دو نہیں کر رہے لیکن بے سود۔ اب ترک حکمرانوں کے ہاں ملک و قوم کی حقیقی فلاح و بہبود اسی میں ہے کہ وہ مغربی بود و باش ان کے طرزِ فکر کو ترک کر کے اسلامی طرزِ زندگی اپنانے کے لئے عوام کی صحیح رہنمائی کریں کیونکہ مسلمانوں کی کامیابی و ترقی کا راز اسلام کے سچے اصولوں پر کاربند رہنے میں مضمر ہے۔ قرآن حکیم نے انسانیت کے لئے طرزِ زندگی کا جو راستہ متعین کیا ہے اس پر چل کر ہی مسلمانوں کو حقیقی سکون نصیب ہوگا۔ اسی طرح غیروں کے طریقوں میں بے چینی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کے بارے میں ادھر ایک نکتے کی وضاحت ضروری خیال کرتا ہوں کہ قرآنِ مجید پڑھنے سے اتنا اطمینانِ قلب حاصل ہوگا جتنا کہ اس کے مفہوم کو سمجھ کر اس میں دیئے ہوئے احکام کو اپنی زندگی میں عملی طور پر اختیار کرنے سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح کلمہ طیبہ کا مفہوم سمجھا جائے اور پھر تمام زندگی کو اس کلمہ کے مطابق ڈھالا جائے۔ قرآن بھی یہی چاہتا ہے کہ مخلوق خداوندی تمام جھوٹے خداؤں کی پرستش اور پیروی چھوڑ کر ایک خدا تعالےٰ کے سامنے سر بسجود ہو جائے اور اس کے پیارے رسول ختم المرسلین کی تعلیمات کے مطابق زندگی گذار کر اس میں ترقی اور کامیابی کی راہیں ڈھونڈیں اور یہ یقین ہو جائے کہ حضور علیہ السلام کے طریقوں میں ہماری کامیابی اور غیروں کے طریقوں میں ناکامی ہے۔

موجودہ دور کی نام نہاد آزادی تاریخ جاہلیت کو دہرا رہی ہے جس میں بھائی چارے کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ آج دنیا کے ترقی یافتہ شہر لندن اور نیویارک وغیرہ میں چوری، ڈاکہ، اور قتل و غارت وہاں کی زندگی کا ایک معمول بن چکا ہے۔ عصمت فروشی کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ موجودہ دور میں اس آزادی کا بڑا علمبردار برطانیہ، جو کہ ایک وقت میں دنیا کی عظیم طاقت ہوا کرتی تھی اور اس کی نو آبادیات میں سورج بھی غروب نہیں ہوتا تھا لیکن اب اقتصادی بدحالی کی وجہ سے یورپ کی ایک کمزور حکومت رہ گئی ہے۔

یہ اس لئے کہ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں جو اقتصادی بدحالی تھی اس کی وجہ بھی صرف یہ تھی کہ وہ لوگ زندگی کو آزادی کے نام پر لہو و لعب میں گزارنے لگے۔ یوں انہیں معاشی بدحالی نے آگھیرا اور اس بدحالی نے ان کو قتل و غارت اور ڈاکہ زنی پر مجبور کر دیا، یہاں تک کہ تنگدستی کے ڈر سے اپنی لڑکیوں کو بھی دفنانا شروع کر دیا۔ یہ صورتحال پھر پیدا ہو رہی ہے۔ اقتصادی طور پر لوگ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ بے حیائی اور تن آسانی ہے۔ یورپ بھی پریشان ہے کہ اس کا کیا تدارک کیا جائے۔ جس کی وجہ سے ہماری اقتصادی حالت کو بہت بڑا دھچکا لگا ہے۔ عجیب بات ہے کہ مسلمان عیاشی، بے راہروی اور نام نہاد آزادی کی اس لاشِ بے جان کے سامنے گھٹنے ٹیک رہے ہیں جس کو مغربی دنیا اپنے کندھوں پر لئے پھر رہی ہے کہ کہاں پھینکے!

بقیہ، اداریہ

جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

مولانا ایک جاذب اور متحرک شخصیت کے مالک تھے۔ قیام پاکستان سے قبل انہوں نے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے ہمراہ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور آخر دم تک تحریکِ پاکستان کے حامیوں میں رہے — ملک اور بیرونِ ملک مولانا کی خطابت کا لوہا مانا گیا اور دینی و سیاسی حلقوں میں انہیں احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا۔

اُن کی حیاتِ مستعار میں ایسے مقامات بھی آئے کہ انہوں نے اپنی رائے کی انفرادیت کو برقرار رکھا اور علماء اور عوام کی اکثریت ان کی رائے کے برعکس رائے رکھتی رہی، مگر کسی نے بھی اُن کی اُن کوششوں سے انکار نہیں کیا جو انہوں نے اسلام اور عالمِ اسلام کی دینی خدمات کرتے ہوئے کی ہیں۔ ان کی رائے سے اختلاف کے باوجود انکے بیان کی سحر آفرینی اور ان کے خطیبانہ جواہر پاروں سے بھی انکار ممکن نہیں۔ مولانا کے لب لہجے کی شیرینی اور بیان کا ٹھہراؤ صرف انہی کا حصہ تھا جو انہی پر ختم ہو گیا۔

ادارہ ترجمانِ اسلام انکے متوسلین اور لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے اور حضرت مولانا کے لئے بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین!

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

انسانیت کے بنیادی اخلاقِ اربعہ

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ چار انسانیت کے وہ بنیادی اخلاق ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مقصود یہ ہے کہ ان اخلاق کی تکمیل و اشاعت کرائی جائے۔ یہ چار اخلاق طہارت، اخبات (خضوع) سماحت (فیاضی) اور عدالت ہیں۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تہذیب نفس (نفس انسانی کو شائستہ اور اس قابل بنانا کہ وہ حظیرۃ القدس اور بارگاہ الٰہی میں پہنچنے کے قابل بن سکے) کے سلسلہ میں شریعت میں جو چیز مطلوب ہے وہ ان چار اخلاق (خصلتوں) کا قائم کرنا ہے اور ان کے ساتھ متصف ہونا ہے اور ان کی اضداد کی نفی کرنا ہے (طہارت کی ضد نجاست ہے۔ اخبات کی ضد تکبر ہے۔ سماحت کی ضد بخل اور خساست ہے اور عدالت کی ضد ظلم اور تعدی ہے)۔ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انہی چار خصلتوں کی تکمیل اور اشاعت کے لئے دنیا میں بھیجا ہے اور تمام شرائع (یعنی آسمانی شریعتوں کے جملہ قوانین و احکام) دراصل انہی چار خصلتوں کی طرف ارشاد و رہنمائی کرتے ہیں وہ ان کے حاصل کرنے کی تحریص و ترغیب دیتے ہیں اور ان کے مواقع اور خلاف ہی کی تفصیلات ہیں اور شرائع کی تمام ترغیبات ان ہی کے اخلاق کی طرف معروف ہیں اور ان کی اضداد سے تربیت کی طرف راجع ہیں اور بر (نیکی) انہیں خصلتوں کے اشباح ہیں (وہ اشکال اور طریقے جن سے یہ خصلتیں حاصل ہوتی ہیں) اور ان کے کاسب ہیں یعنی ان اخلاق کو کمانے اور حاصل کرنے کے ذرائع اور اسباب ہیں اور اثم (بدی) ان کے اضداد و کواسب کے مواقع اور اسباب سے عبارت ہے۔ انسانیت کے وہ اخلاق جن کی موجودگی معاد میں مفید ہے اور ان کا فقدان مزر رساں ہے۔ وہ یہی چار بنیادی اخلاق ہیں اور یہ اخلاق کسی نبی کی شریعت میں منسوخ نہیں ہوئے اور ہمارے پیغمبر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی یہ اخلاق محکم ہیں۔ جو شخص اس حقیقت کو ذوق اور وجدان کے طریق پر جان لے، اور معلوم کرے کہ ہر دور اور ہر طبقہ میں شرائع کس طرح ان اخلاق تک پہنچاتے ہیں تو وہ شخص یقیناً فقیہ فی الدین اور راسخ العلم ہوگا اور جو شخص شرائع کے اشباح سے ان خصلتوں تک پہنچے گا اور ان اخلاق سے رنگین ہوگا اور اس کے نفس نے اپنے اصل جوہر میں ان خصلتوں کو قبول کر لیا تو وہ محسنین میں شمار ہوگا۔ درحقیقت ان چار خصلتوں کی معرفت اور عظام یعنی بڑے امور میں سے ایک بڑا امر ہے جو اس بندہ ضعیف پر وارد ہوئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہم پر اور دوسرے لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں ادا کرتے۔

طہارت

ان اخلاق میں سے ایک طہارت ہے طہارت کا معنی تو نظافت و پاکیزگی ہوتا ہے لیکن طہارت کی حقیقت اور اس کی طرف میلان نفوس سلیم میں سے ہر ایک نفس میں ودیعت رکھا ہوا ہے۔ پس اگر نفس اپنی فطری سلامتی کی حالت پر ہو اور کوئی عارض اس کو مشوش نہ کرے تو لامحالہ وہ طہارت پر ہوگا۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری مراد طہارت سے صرف وضو اور غسل نہیں بلکہ روح وضو اور روح غسل ہے اور نور وضو اور نور غسل ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر پاکیزہ نفس جس کا مزاج صحیح اور سلیم ہو اور اس کا مادہ زملی احکام قبول کرنے سے انکار نہ کرتا ہو (جیسا کہ منحرج اور ناقص مادہ زملی احکام قبول کرنے سے انکار کرتا ہے) اور سفلی

حالت سے فارغ ہو اور طبعی طور پر مشوش کرنے والی مانع سے خالی ہو۔ جیسا کہ شبق یا غلبۂ شہوت کی حالت یا غضب اور بھوک وغیرہ کی حالت سے خالی ہو۔ ایسا نفس جب نجاسات سے آلودہ ہوتا ہے اور میل کچیل سے پُر ہوتا ہے اور غیر طبعی بالوں کی افزائش اس کے جسم پر ہوتی ہے اور بول و براز کا شدید تقاضا ہوتا ہے اور معدہ میں ریاح کا غلبہ اور گرانی ہوتی ہے یا وہ شخص جماع اور اس کے دواعی سے قریب العہد ہوتا ہے تو ایسا شخص اگر اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے گا تو لامحالہ اپنے اندر انقباض تنگی اور غم پائے گا پھر وہ جب دونوں خبیث چیزوں (بول و براز) سے فارغ اور ہلکا ہو گا اور غسل کرے گا اور زائد بالوں کو اپنے جسم سے دُور کر دے گا اور نیا لباس زیب تن کرے گا اور خوشبو کا استعمال کرے گا اور پھر اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے گا تو لامحالہ ایک خاص قسم کا انشراح اور طبیعت کی کشادگی، سرور اور انبساط پائے گا۔

پہلی حالت حدث کی ظلمت اور تاریکی کی حالت ہے اور دوسری حالت نور طہارت کی حالت ہے۔

جب حدث کی ظلمت نفس کا احاطہ کرتی ہے تو شیاطین کے وسوسے اور خوفناک خواب ظاہر ہوتے ہیں اور دل پر سیاہی ہجوم کرے گی اور جب نور طہارت نفس کا احاطہ کرتا ہے تو ملائکہ کے الہامات اور رویائے صادقہ یعنی اچھے خواب ظاہر ہوں گے، اور خواب و بیداری دونوں کی حالت میں اس کے دل پر نور کا ہجوم ہو گا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ شخص خواب میں آفتاب کو اپنے دل یا صحن میں جلوہ گر دیکھتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے، اور کبھی ستارے اس کی پیشانی اور تمام اعضاء کے ساتھ چسپاں ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور کوئی یہ دیکھتا ہے کہ اس پر نور کی بارش برس رہی ہے۔ **علیٰ ھذا القیاس** اس قسم کے خواب دیکھتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ سب طہارت کے اشباح (اشکال) و آثار ہیں اور ان کی حقیقت وہ ہئیت وجدانیہ ہے جس کو بجز انس اور نور کے تعبیر نہیں کیا جا سکتا اور یہ حالت انسان کی حالتوں میں ملاءِ اعلیٰ کی تجردی حالت سے مشابہت رکھتی ہے، یعنی جس طرح ملاءِ اعلیٰ بہیمی آلودگیوں سے دُور ہوتے ہیں اسی طرح یہ شخص بھی اس حالت میں بہیمی آلودگی سے دُور اور صاف ہوتا ہے اور جس طرح ملاءِ اعلیٰ میں سرور اور ابتہاج ہوتا ہے اسی طرح اس حالت میں اس شخص کو بھی انس سرور اور ابتہاج میں ان کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اور جب بھی کوئی ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ مشابہت پیدا کر لیتا ہے تو وہ وہاں بے اندازہ سرور و ابتہاج اور انس محسوس کرتا ہے اور جب یہ شخص اس حالت کو اپنے نفس میں پختہ اور راسخ کر لیتا ہے اور وہ اس کا ملکہ بن جاتی ہے تو اس شخص کے اور ملاءِ اعلیٰ کے درمیان ایک خاص قسم کی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے درمیان اور بہشت کی خوشیوں اور راحت کے درمیان دروازہ کھل جاتا ہے۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص مسلسل احداث اور نجاسات کے ساتھ آلودہ ہوتا ہے اور درمیان میں طہارت کی صورت نہیں اختیار کرتا تو اس کا علاج انتہائی مبالغہ کے ساتھ بدن اور کپڑوں کو پاک صاف کرنے سے ہو گا۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں انوارِ طہارت کی نسبت بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے جو کسی شخص میں پیدا ہوتی ہے۔ اس نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص غسل اور وضو کرتا ہے اور خوشبو استعمال کرتا ہے اور بدن سے گندگی دور کرتا ہے اور اسی طرح لباس کو بھی پاک و صاف رکھتا ہے تو اس میں ایک قسم کا سرور و انشراح پیدا ہوتا ہے اور خاص قسم کا انس اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور یہ انس و سرور قوائے طبعیہ کے قبیل سے نہیں ہوتا بلکہ یہ قوت ملکیہ کی میراث اور اس کا پرتو ہوتا ہے اور جب یہ بات بار بار حاصل ہوتی رہے تو نفس کا ملکہ بن جاتی ہے اور ایک ہئیت راسخہ اس کی وجہ سے نفس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک عارف آدمی اس ہئیت کو پہچانتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے اور جب حدث لاحق ہوتا ہے یا جنابت طاری ہو جاتی ہے یا اس کا بدن اور لباس نجس ہو جاتے ہیں اور وہ اس کی وجہ سے اپنے نفس میں انتہائی وحشت اور انقباض پاتا ہے اور اس کے دل میں بے چینی اور پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور خبیث اور ردی باتیں اور وسواس اس کے دل سے اٹھنے لگتے ہیں۔ جب یہ شخص طہارت کی اشکال و امثال سے تمسک کرتا ہے تو اس کے اندر وہ مطلوب حالت دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے اور یہ شخص اپنے اندر آرام و سکون پاتا ہے۔ جب عارف ان دونوں حالتوں کو پہچان لیتا ہے اور ایک حالت سے اسے ایذا و تکلیف پہنچتی ہے اور دوسری حالت سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے اور یہ حالت طہارت کی کثرت اور وضو اور غسل پر مواظبت کرنے سے حاصل ہوتی ہے پھر اس شخص کے اندر ملائکہ کی حقیقت کی طرف ایک کشادہ شاہراہ کھل جاتی ہے اور ان ملائکہ کا انس و سرور اس کو حاصل ہوتا ہے اور اس مقام پر یہ شخص ایک ایسے بحر بیکراں کا مشاہدہ کرتا ہے جو ثلج (برف) برد (اولے) اور راحت سے بھرپور ہوتا ہے اور دنیا میں یہ شخص ملائکہ کی طرح ملہم ہوتا ہے یعنی اس پر ملائکہ کی طرح پاکیزہ الہامات ہوتے ہیں اور جس طرح اس پر الہام ہوتا ہے اسی طرح اس کے حق میں ملائکہ پر بھی الہام ہوتا ہے تاکہ وہ ملائکہ اس کی رفاہیت میں کوشش کریں۔ کبھی الہام کی شکل میں اور کبھی حالت کی تبدیلی کی شکل میں اور آخرت میں یہ شخص منجملہ ملائکہ میں سے شمار ہو گا۔

طہارت کی اس نسبت کے حاصل ہونے کی علامت یہ ہے کہ بہت سے ملکی واقعات

اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ انوار کا دیکھنا اور آفتاب و ماہتاب کا اس کے منہ سے ظاہر ہونا اور دریں حالات یہ شخص اپنے آپ کو ایک نور اور شفاف جوہر کی شکل میں دیکھتا ہے۔ (کیونکہ روشنی اور شفاف چیز میں نور و تجلی کو نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے) اسی طرح لذیذ قسم کے طعام کا کھانا۔ دودھ اور شہد اور گھی جیسی پاکیزہ چیزوں کا تناول کرنا اور حریر کا لباس زیب تن کرنا اور عمدہ اور پاکیزہ باغات کی سیر کرنا اور ان میں اتنا بشرطیکہ وہ ایسی رونق و اطمینان اور تازگی اپنے دل میں محسوس کرے جیسا بیداری کی حالت میں ایک بھوکا آدمی طعام سے آرام پاتا ہے اور یہ طہارت دوسری نسبتوں پر بھی تنبیہ کرتی ہے اور ان کے لئے بھی انبعاث پیدا کرتی ہے۔ طہارت کی نسبت رکھنے والا شخص جب ملائکہ سے نسبت پیدا کرتا ہے اور اپنے لوح نفس کو پاکیزہ بنا لیتا ہے تو بسا اوقات اس کے روح مقنس پر اور اس کے دل پر بھی عشق الٰہی اور اس کی بیچینی اور قلق منقش ہوتا ہے اور عشق کے آثار یہاں سے پھوٹتے ہیں اور اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے فیض اور موہبت خیال کرنا چاہیے۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص طہارت کی نسبت سے نابلد ہو تو اس کو یہ تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ خلوت گزین ہو کر غسل کرے اور نیا لباس پہنے اور دو رکعت نماز ادا کرے اور اللہ تعالیٰ کے اسم پاک نور کا زیادہ ورد کرے تازہ بتازہ غسل اور تازہ بتازہ وضو کرتا رہے، اور پوری ہمت اور توجہ کے ساتھ فکر کرے کہ اس کے دل میں پہلے کی نسبت کوئی فرق پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ ہمیں یقین ہے کہ بہت جلد اس کیفیت کو پا لے گا۔ یہ بات خوب جان لینی چاہیے کہ طہارت کی حقیقت صرف وضو اور غسل میں منحصر نہیں بلکہ بہت سی چیزیں وضو اور غسل کے حکم میں داخل ہیں جن سے طہارت حاصل ہوتی ہے یا قوی ہوتی ہے۔ چنانچہ صدقہ دینے سے اور فرشتوں اور بزرگوں کو خوبی سے یاد کرنے سے اور ایسے کام کرنے سے جو عوام کے لئے مفید ہوں اور عام لوگ ان کی وجہ سے اس شخص کے حق میں دعا کریں اور خوش ہوں، اور نیز اپنی وضع قطع ڈاڑھی مونچھ اور تمام بالوں کو اس ہیئت پر بنائے جو ملت میں مستحسن اور معتاد ہوں اور بالوں کی حفاظت اور ان کو پراگندگی سے بچانا اور متبرک مقامات اور معظم مساجد اور سلف کے مشاہد میں اعتکاف کرنا، اور اگر اہلِ دنیا کی رسوم کا ہجوم ہو تو اس کا علاج ہجرت اوطان اختیار کرنے سے ہوگا اور پاک صاف اور سفید لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا۔ طہارت کی حالت میں سونا اور خواب کے وقت ذکر کرنا اور پریشان خواب اور پراگندہ خیالات سے اپنے دل کی حفاظت کرنا اور موذی مواد کو بدن سے خارج کرنا (استفراغ) اور ظلمانی اخلاط کو بدن سے باہر نکالنا اور نفس کا نسیم (پاکیزہ) اور خوشبو سے راحت پانا، اور ایسی چیزوں کا کھانا جن سے کیموس صالح پیدا ہو، تاکہ خوف اور بے چینی اس میں نہ رہے یہ سب اشیاء طہارت کی کیفیت کو پیدا کرتی ہیں یا اس کی تقویت کا باعث ہوتی ہیں۔

اس کے برخلاف ہیئات منکرہ شیطانیہ یعنی شیطانی بدوضعی اور فحش کلمات کا زبان سے نکالنا اور سلف صالحین پر طعن اور نکتہ چینی کرنا اور بے حیائی کا اظہار کرنا اور جانوروں کی جفتی وغیرہ دیکھنی اور حسین عورتوں اور امارد (نوخیز بچے) کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرنا اور اپنی فکر ان کے محاسن اور بناؤ سنگار میں مصروف کرنا اور لمبے وقت تک اپنے دل میں مباشرت کے خیالات کو جمع کرنا اور اس سے زیادہ مباشرت میں مشغول و مصروف رہنا جتنا کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے مصروف کار ہوتا ہے اور کتوں اور بندروں کے ساتھ رفاقت رکھنی اور امراض جلدیہ میں مبتلا ہونا جیسے پتی، چنبل، داد، جرب، کھجلی وغیرہ اور دوسری امراض میں مبتلا ہونا۔

یہ سب باتیں اس صفت کو بتلاتی ہیں جو طہارت کے بالمقابل اور اس کی ضد ہے۔ ان اجماع اور مباشرت میں جو دفع اذیت کے لئے ہو اور اس میں جو تحصیل لذت کے لئے ہو فرق ہے۔ پہلی قسم طہارت کے باب سے ہے اور دوسری قسم نجاست کے باب سے ہے۔

ان میں سے بعض چیزوں کے بارہ میں شریعت نے صراحت سے طہارت اور نجاست کا نام دیا ہے اور بعض کی طرف اشارہ اور ایما کیا ہے۔ یہ سب باتیں وجدانی طریق پر معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نظیف ہے نظافت کو پسند فرماتا ہے۔ حدیث میں الطہور شطر الایمان آیا ہے یعنی طہارت ایمان کا جز ہے اسی بنا پر امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ:

> "ارباب بصیرت نے یہ بات سمجھی ہے کہ شارع علیہ السلام کی مراد صرف یہ نہیں کہ طہارت میں صرف ظاہر کو پانی سے صاف اور نظیف بنا لیا جائے، بلکہ طہارت کے چار مراتب ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ ظاہر کو احداث اور اخباث سے پاک کیا جائے۔ دوسرا مرتبہ جوارح و اعضاء کو آثام و جرائم سے پاک کیا جائے۔ تیسرا مرتبہ قلب کو اخلاق مذمومہ اور رذائل ناپسندیدہ سے پاک کرنا اور چوتھا مرتبہ سر کو ماسوای اللہ سے پاک کرنا اور یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صدیقین کی طہارت ہے۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں روح طہارت دراصل نور باطن، انس و انشراح کی حالت ہے اور افکار کو مٹانا ہے اور تشویشات بے چینی، فکری پراگندگی، ضجر، تنگدلی اور جتنا ذریعہ کو رد کرنا اور کم کرنا ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ حدث کے اسباب یہ ہیں۔ قلب کا سفلی حالات سے پُر ہونا جیسا کہ عورتوں سے قضائے شہوت اور مباشرت کی حالت اور قلب

میں حق کی مخالفت مضمر رکھنا اور ملاء اعلیٰ کی لعنت کا احاطہ کرنا، بول و براز کو روک کے رکھنا اور بول و براز اور ریح کے ساتھ قریب العہد ہونا یہ معدہ کے فضول مراد ہیں۔

اور بدن کا میل کچیل سے بھر جانا۔ گند دھنی ریٹھ وغیرہ کا جمع ہونا، زیر ناف اور بغل کے بالوں کا اگنا اور ران کی افزائش اور بدن کا نجاست اور گندگی سے آلودہ ہونا اور حواس کا ایسی حالت سے پُر ہونا جو سفلی حالت کو یاد دلاتی ہو۔ جیسا کہ مختلف قسم کی غلاظتیں اور گندگی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا۔ حیوانات کی جنسی کھینا جماع اور مباشرت میں زیادہ عمیق اور گہری نظر رکھنا اور ملائکہ اور صالحین پر طعن کرنا، اور لوگوں کو ایذا پہنچانے کی سعی کرنا۔ یہ سب نجاست کے اسباب ہیں اور طہارت کے اسباب ان کا ازالہ کرنا اور ان کی اضداد کو حاصل کرنا ہے اور ایسی چیزوں کا استعمال کرنا جو عادتاً نظافت خیال کی جاتی ہیں جیسا کہ غسل و وضو کرنا۔ اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننا، خوشبو استعمال کرنا، یہ سب چیزیں طہارت کی صفت پر تنبیہ کرنے والی ہیں۔

اور جب طہارت انسان کی طبیعت بن کر راسخ ہو جاتی ہے تو اس کے اندر ملائکہ کے الہامات قبول کرنے کی استعداد پیدا کرتی ہے اور منامات صالحہ یعنی اچھے خواب اور انوار کا ظہور ہوتا ہے اور طیبات یعنی پاکیزہ اور مبارک چیزوں کا تمثل ہوتا ہے اور جب انسان میں نجاست کی حالت راسخ ہو جاتی ہے تو شیاطین کے وساوس قبول کرنے کی استعداد پیدا کرتی ہے اور ایسا انسان حس مشترک کے عالم سے شیاطین کو بعض اوقات دیکھتا ہے اور وحشت ناک خواب آتے ہیں اور نفس کے اس پہلو پر جو نفس ناطقہ سے ملتا ہے ظلمت کا ظہور ہوتا ہے اور ملعون اور ذلیل جانور متمثل ہوتے ہیں اور خواب میں نظر آتے ہیں۔

طہارت کا مفہوم شرائع الٰہیہ میں اسقدر وسیع ہے جسکا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ اس میں طہارت صوری جیسا کہ بول و براز۔ مادہ منویہ۔ مذی۔ خون۔ ودی قی۔ پیپ وا قذار و نجاسات سے طہارت ضروری ہے۔ اسی طرح باطن کی تطہیر، کفر، شرک، نفاق، الحاد، ارتداد، شک اور تمام عقائد باطلہ نیات فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ کھوٹ۔ کینہ۔ دغابازی۔ حسد تکبر وغیرہ سے طہارت ضروری ہے نیز غضب سرقہ، خیانت و حرام سے مردوں کو ریشمی لباس سونے چاندی کے زیور اور مسرفانہ مبذرانہ افعال اور وضع قطع سے احتراز ضروری ہے۔ بدن کو حدث و جنابت سے وضو، غسل و تیمم کے ذریعہ اور مختلف قسم کے فضلات، غیر طبعی بال۔ ناخن اور میل کچیل پاک کرنا اور مال تطہیر زکوٰۃ و صدقات نکالنے اور سود کی آمیزش اور دیگر حرام چیزوں سے، قمار بازی، ناپاک چیزوں کی تجارت سے طہارت ضروری ہے۔ الغرض کہ طہارت کا وسیع نظام ہے جس میں اخلاق و عقائد کی تطہیر سے لے کر ظاہری طہارت کے تمام مواقع بدن، مکان، دیگر ماحول، گلی محلہ، شہر، میونسپلٹی، اسمبلی، ٹریڈ یونین وغیرہ اور قانون کا پاک ہونا اور صاف ہونا، افکار کی پاکیزگی، اصول و اعمال و نفسیات سب کی تطہیر پر مشتمل ہے۔ انسان اپنے فطرت کے مطابق بعض چیزوں کو اپنے بدن اور جسم کے لئے باعث نجاست و گندگی خیال کرتا ہے اور اپنی پوری قوت و وسعت کے ساتھ ان سے بچتا رہتا ہے مثلاً بول و براز وغیرہ جب انسان کے نزدیک نجس ہیں تو ممکن نہیں کہ پھر انسان ان سے ایک لحظہ بھی آلودہ ہونے کے لئے تیار ہو۔ جب یہ صفت انسان کو حاصل ہو جائے تو اس کی تکمیل اس کے لئے آسان ہو گی۔ جب انسان کے نفس میں کوئی کلام فکر و عادت یا جذبہ پیدا ہو اور اس کے قلب میں وہ ایسا مؤثر ہو جیسا کہ بول و براز کی تاثیر اس کے جسم پر ہوتی ہے۔ جب وہ اس پر پڑ جائے تو انسان اس کو نجس خیال کرنے کے ساتھ پختہ ارادہ کرے گا اس کے ازالہ کا اور یہ خصلت اس کے اندر پختہ ہو گی۔

طہارت انسانیت کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اس اصول پر کاربند رہنا ملاء اعلیٰ کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے اور اس طہارت کے ذریعہ انسان حظیرۃ القدس میں داخل ہونے کا اہل اور اس کا ممبر بن سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنے کے قابل بن سکتا ہے۔ عبادت اس کے بغیر مقبول نہیں جیسا کہ ان اللہ لایقبل صلوٰۃ بغیر طہور و لاصدقۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتے اور خیانت وغیرہ کے مال سے صدقہ و خیرات قبول نہیں فرماتے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واللہ یحب المطہرین کہ اللہ تعالیٰ طہارت اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ان سے محبت کرتا ہے اور جہاں تیمم کی حکمت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اس میں بھی یہی ارشاد ہوتا ہے۔

یرید اللہ لیطہرکم۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک و صاف کر دے۔ قرآن و سنت میں طہارت کے متعلق مفصل احکام موجود ہیں اور امام ولی اللہؒ نے حکیمانہ طریق پر اس کا فلسفہ سمجھا دیا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ طہارت جس کا اثر نمایاں اور ظاہری طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے اور یہ ایسا وصف ہے کہ جس کے ساتھ جمہور الناس یعنی عوام کو خطاب کیا جا سکتا ہے اور اس طہارت کا اکثر متمدن دنیا میں بکثرت پایا جاتا ہے یعنی پانی۔ طہارت کا معاملہ ضبط و قانون میں آسکتا ہے اور جو انسانی نفوس میں زیادہ وسیع طریقہ پر مؤثر ہوتا ہے اور مسلمات مشہورہ کی طرح اور طبعی مذہب کی طرح ہوتا ہے۔ یہ طہارت استقراء و تتبع سے دو قسموں میں منحصر ہے۔ طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ تمام بدن کو پانی کے ساتھ دھونا اور خوب مل کر صاف کرنے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ پانی نجاسات کو زائل کرنے والا خود پاک اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے کا آلہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا

فرمان ہے:

وانزلنا من السماء ماءً طهورًا

طبائع اس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ الہام ہے کہ نفس کو طہارت کی صفت پر تنبیہ کرے اور خبر کر دے اور یہ تنبیہ اس طرح حاصل ہو گی کہ انسانوں کے نفوس میں جو ایک بات گڑی ہوئی ہے کہ طہارت طبیعت کرے اور یہ صرف پانی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اور طہارت صغریٰ میں صرف اطراف (ہاتھ پاؤں منہ کے دھونے پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ عادتاً یہی مواقع متمدن ممالک میں منکشف ہوتے ہیں اور لباس سے باہر رہتے ہیں اور ان کا لباس سے باہر ہونا سب لوگوں کے لئے ایک طبعی بات ہے اور ان کے دھونے میں کوئی حرج بھی نہیں ہوتا برخلاف تمام اعضاء کے دھونے کے لئے خاص اہتمام اور ستر وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ نیز شہروں میں عادت ہے کہ ان اعضاء کو بالعموم رنگ بروں میں پاک و صاف رکھنے کے عادی ہوتے ہیں اور بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت مثلاً حکام، بادشاہ، امرا اعاظم رجال کے پاس جانے کی صورت میں ان کو پاکیزہ اور نظیف رکھا جاتا ہے اور نیز پاکیزہ اور اچھے اعمال انجام دینے کے وقت بھی ان کو پاک و صاف کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان اعضاء کے طرف ہی میل کچیل گرد وغبار دھواں وغیرہ جلد کی سرایت کرتا ہے۔ اور ملاقات کے وقت یہی اعضاء لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے ان کا پاک صاف ہونا ضروری ہے۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے نیز تجربہ شاہد ہے کہ اطراف اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے سے نفس نیند اور غشی وغیرہ کی حالت میں بیدار ہوتا ہے اور متنبہ ہو جاتا ہے اور اس سے نفس میں قوی درجہ کی تنبیہ حاصل ہوتی ہے۔ انسان خود بھی اس کا تجربہ کر سکتا ہے اور اطباء حضرات بھی غشی وغیرہ کو دور کرنے کے لئے اس تدبیر کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

اور طہارت صرف تنظیف ہی نہیں بلکہ یہ ارتفاق ثانی (انسان کی اجتماعی اور شہری ضرورتوں) کے ابواب میں بھی داخل ہے۔ جن پر انسان کا کمال موقوف ہے اور انسانوں کی طبیعت اور جبلت میں داخل ہے اور اس میں ملائکہ سے قرب ہے اور شیاطین سے بعد ہے نیز یہ طہارت انسان کو عذاب قبر سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اس سے واقع ہوتا ہے نیز اس طہارت کو بڑا دخل ہے۔ اس بات میں کہ انسان کا نفس اس کی وجہ سے احسان کا رنگ قبول کرتا ہے۔ واللہ یحب المطہرین کی آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔

اور جب یہ طہارت کی صفت نفس میں پختہ اور راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نفس میں ملائکہ کے نور کا (ملکیت کا) ایک شعبہ ٹھہر جاتا ہے اور رنگ جاتا ہے اور بہیمیت کی ظلمت کا ایک شعبہ مقہور و مغلوب ہوتا ہے اور یہی مطلب ہے کتابت حسنات اور تکفیر سیئات کا یعنی جو حدیث میں آیا ہے کہ طہارت کرنے سے حسنات لکھی جاتی ہیں اور خطاؤں کو معاف کیا جاتا ہے اور مٹایا جاتا ہے۔

اور اگر اس طہارت کو رسم فاشی بنا دیا جائے کہ عام و خاص لوگ اس کی پابندی کرنے لگ جائیں تو یہ مہلک رسومات سے بچانے کا ذریعہ بھی بن جائے گی اور جب طہارت والا انسان اس کی ہیئات کی حفاظت کرے گا جیسا کہ بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت کرتے ہیں اور نیت اور اذکار بھی اس کے ساتھ مل جائیں تو سوء معرفت کا علاج بھی اس سے ہوگا اور جب انسان خوب اپنی عقل سے اس کو جان لے کہ یہ انسان کے حق میں کمال ہے اور اپنے جوارح کو ان آداب کا پابند بنائے لیکن عقلی تقاضے کے بغیر کسی حسی داعیہ کے تو اس سے طبیعت کے عقل کے تابع ہونے کی مشق ہو گی اور حجاب طبع کا بھی علاج اس سے ہو سکے گا۔

اخبات

(خضوع و خشوع) دوسری صفت یا اخلاق۔ ان اہم بنیادی اخلاق میں سے اخبات یا خضوع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز مندی کا اظہار اور چشم دل کو اس کی طرف متوجہ رکھنا۔ اس کو اخبات کہتے ہیں۔ اخبات کا لفظ اور اسی طرح خضوع و خشوع قرآن پاک میں وارد ہوئے ہیں مثلاً اخبات جیسا کہ سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الذين آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واخبتوا الى ربهم اولٰئك اصحٰب الجنة هم فيها خالدون (آیت ۲۳)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کی یہی لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفوس سلیمہ جب ہر قسم کی تشویشات طبعیہ اور خارجیہ سے فارغ ہوں اور ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلال اور اس کی کبریائی ان کو یاد دلائی جائے اور کسی نہ کسی طرح ان کا رخ ادھر متوجہ ہو تو لامحالہ انہیں ایک ایسی حالت لاحق ہو گی جو حیرت اور دہشت کی جنس سے ہو سکتی ہے اور ایک خاص رنگ انہیں احاطہ کرے گا اور جب یہ اس حالت سے نیچے اتر کر سفلی حالت کی طرف آتے ہیں تو یہی حیرت و دہشت خشوع و خضوع اور اخبات بن جاتا ہے اور ایسی حالت ان پر طاری ہوتی ہے جیسے غلاموں کی حالت اپنے آقاؤں کے سامنے یا کسانوں کی حالت بادشاہوں کے سامنے یا جیسا کہ محتاج سائل کی حالت سخی کریم کے سامنے ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نفس کی یہ حالت ملاء اعلیٰ کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ

فرمان ہے:

وانزلنا من السماء ماءً طهوراً

طبائع اس کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ نفس کو طہارت کی صفت پر تنبیہ کرے اور خبر کر دے اور یہ تنبیہ اس طرح حاصل ہو گی کہ انسانوں کے نفوس میں جو ایک بات گڑی ہوئی ہے کہ طہارت بلیغہ کرے اور یہ صرف پانی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اور طہارت صغریٰ میں صرف اطراف (ہاتھ پاؤں منہ کے دھونے پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ عادتاً یہی مواقع متمدن ممالک میں منکشف ہوتے ہیں اور لباس سے باہر رہتے ہیں اور ان کا لباس سے باہر ہونا سب لوگوں کے لئے ایک طبعی بات ہے اور ان کے دھونے میں کوئی حرج بھی نہیں ہوتا برخلاف تمام اعضاء کے دھونے کے لئے خاص اہتمام اور ستر وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ نیز شہروں میں عادت ہے کہ ان اعضاء کو بالعموم رگ ہروں میں پاک وصاف رکھنے کے عادی ہوتے ہیں اور بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت مثلاً حکام، بادشاہ، امرا اعاظم رجال کے پاس جانے کی صورت میں، ان کو پاکیزہ اور نظیف رکھا جاتا ہے اور نیز پاکیزہ اور اچھے اعمال انجام دینے کے وقت بھی ان کو پاک و صاف کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان اعضاء کے طرف ہی میل کچیل گرد وغبار دھواں وغیرہ جلد کا سرایت کرتا ہے۔ اور ملاقات کے وقت یہی اعضاء لوگوں کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے ان کا پاک صاف ہونا ضروری ہے۔ یہ بات سمجھ میں آتی ہے نیز تجربہ شاہد ہے کہ اطراف اور منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے سے نفس نیند اور غشی وغیرہ کی حالت میں بیدار ہوتا ہے اور متنبہ ہو جاتا ہے اور اس سے نفس میں قوی درجہ کی تنبیہ حاصل ہوتی ہے۔ انسان خود بھی اس کا تجربہ کر سکتا ہے اور اطباء حضرات بھی غشی وغیرہ کو دور کرنے کے لئے اس تدبیر کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

اور طہارت صرف تنظیف ہی نہیں بلکہ یہ ارتفاق ثانی (انسان کی اجتماعی اور شہری ضرورتوں) کے ابواب پر بھی داخل ہے۔ جس پر انسان کا کمال موقوف ہے اور انسانوں کی طبیعت اور جبلت میں داخل ہے اور اس میں ملائکہ سے قرب ہے اور شیاطین سے بعد ہے نیز یہ طہارت انسان کو عذاب قبر سے بچنے کا ذریعہ بھی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اس سے واقع ہوتا ہے نیز اس طہارت کو بڑا دخل ہے۔ اس بات میں کہ انسان کا نفس اس کی وجہ سے احسان کا رنگ قبول کرتا ہے۔ واللہ یحب المطہرین کی آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔

اور جب یہ طہارت کی صفت نفس میں پختہ اور راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نفس میں ملائکہ کے نور کا (ملکیت کا) ایک شعبہ ٹھہر جاتا ہے اور رنگ جاتا ہے اور بہیمیت کی ظلمت کا ایک شعبہ مقہور و مغلوب ہوتا ہے اور یہی مطلب ہے کتابت حسنات اور تکفیر سیئات کا یعنی جو حدیث میں آیا ہے کہ طہارت کرنے سے حسنات لکھی جاتی ہیں اور خطاؤں کو معاف کیا جاتا ہے اور مٹایا جاتا ہے۔

اور اگر اس طہارت کو رسم فاشی بنا دیا جائے کہ عام و خاص لوگ اس کی پابندی کرنے لگ جائیں تو یہ مہلک رسومات سے بچانے کا ذریعہ بھی بن جائے گی اور جب طہارت والا انسان اس کی ہیئات کی حفاظت کرے گا جیسا کہ بڑے لوگوں کے پاس جاتے وقت کرتے ہیں اور نیت اور اذکار بھی اس کے ساتھ مل جائیں تو سوء معرفت کا علاج بھی اس سے ہوگا اور جب انسان خوب اپنی عقل سے اس کو جان لے کہ یہ انسان کے حق میں کمال ہے اور اپنے جوارح کو ان آداب کا پابند بنائے لیکن عقلی تقاضے کے بغیر کسی حسی داعیہ کے تو اس سے طبیعت کے عقل کے تابع ہونے کی مشق ہوگی اور حجاب طبع کا بھی علاج اس سے ہو سکے گا۔

اخبات

(خضوع و خشوع) دوسری صفت یا اخلاق۔ ان اہم بنیادی اخلاق میں سے اخبات یا خضوع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و نیاز مندی کا اظہار اور چشم دل کو اس کی طرف متوجہ رکھنا۔ اس کو اخبات کہتے ہیں۔ اخبات کا لفظ اور اسی طرح خضوع و خشوع قرآن پاک میں وارد ہوئے ہیں مثلاً اخبات جیسا کہ سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واخبتوا الٰی ربھم اولٰئک اصحٰب الجنۃ ھم فیھا خالدون (آیت ۲۳)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کی یہی لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفوس سلیم جب ہر قسم کی تشویشات طبعیہ اور خارجیہ سے فارغ ہوں اور ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلال اور اس کی کبریائی ان کو یاد دلائی جائے اور کسی نہ کسی طرح ان کا رخ ادھر متوجہ ہو تو لامحالہ انہیں ایک ایسی حالت لاحق ہو گی جو حیرت اور دہشت کی جنس سے ہو سکتی ہے اور ایک خاص رنگ انہیں احاطہ کرے گا اور جب یہ اس حالت سے نیچے اتر کر سفلی حالت کی طرف آتے ہیں تو یہی حیرت و دہشت خشوع و خضوع اور اخبات بن جاتا ہے اور ایسی حالت ان پر طاری ہوتی ہے جیسے غلاموں کی حالت اپنے آقاؤں کے سامنے یا کسانوں کی حالت بادشاہوں کے سامنے یا جیسا کہ محتاج سائل کی حالت سخی کریم کے سامنے ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نفس کی یہ حالت طاری حالت کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی شانِ جلال و کبریائی کے سامنے حیران و ششدر رہتے ہیں تو نفس کی یہ صفت خشوع خضوع اور مناجات میں ان ملاءِ اعلیٰ کے مشابہ ہوتی ہے۔ جب نفس اس کیفیت کے ساتھ رنگین ہو جاتا ہے اور یہ خصلت اس کے اصل کے جوہر میں داخل ہو جاتی ہے تو اس نفس اور ملاءِ اعلیٰ کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور ملاءِ اعلیٰ کی جانب سے اس نفس پر معارف جلیلہ مترشح ہوتے ہیں۔ ان معارف کی اشباہ و اشکال تجلیات الٰہیہ ہوتی ہیں۔ شریعت نے اس صفت کو حاصل کرنے کے لیے خضوع و خشوع اور مناجات تلاوت قرآن کریم، ذکر، دعائیں اور تعویذات وغیرہ مقرر کئے ہیں۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اخبات کے اسباب یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس کو تعظیم کے اعلیٰ حالات کا پابند بنائے جس قدر بھی اس سے ممکن ہو مثلاً سرنگوں ہو کر کھڑا ہونا، سجدہ ریز ہونا اور ایسے الفاظ زبان سے بولنا جو اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات اور عاجزی پر دال ہوں اور اپنی تمام مناجات اس کے سامنے رکھنی، یہ تمام امور وہ ہیں جو نفس کو اخبات و خضوع کی صفت پر قوی درجہ کی تنبیہ کرتے ہیں۔

نیز امام ولی اللہؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اخبات کی حقیقت یہ ہے کہ جب انسان سلیم الفطرۃ ہو اور تشویشات سے فارغ ہو تو جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی صفات و آیات کا تذکرہ کیا جائے اور گہرے طریق پر اس کو یاد کرے تو اس کا نفس ناطقہ متنبہ ہوگا اور اس کے حواس اور جسم میں انکساری و عاجزی پیدا ہوگی اور وہ حیران اور ماندہ یعنی تھکا ہوا ہوگا اور حظیرۃ القدس کی جانب اس کا میلان ہوگا اور ایک ایسی حالت اس پر طاری ہوگی جیسا کہ رعیت کے لوگوں کی اپنے بادشاہ کے سامنے ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی لاچارگی، عاجزی اور نیازمندی اور ان بادشاہوں کا استبداد اور لینے دینے اور منع کرنے میں ان کا اختیار اور اپنی کمزوری ملاحظہ کرتا ہے اور یہ حالت نفس کی حالتوں میں سے زیادہ اقرب حالت ہے ملاءِ اعلیٰ کے مشابہت میں جس طرح ملاءِ اعلیٰ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے جلال میں حیران و سرگرداں رہتے ہیں اور جس طرح اس کی تقدیس میں مستغرق رہتے ہیں اور اسی لئے وہ ہر وقت تیار ہوتے ہیں کہ ان کا نفس اپنے کمال علمی کی طرف خروج اختیار کرے اور معرفت الٰہیہ ان کے لوحِ ذہن پر منقش ہو اور وہ کسی نہ کسی طرح اس دربار میں پہنچتے ہیں۔ اگرچہ الفاظ اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ روح نماز حضور مع اللہ اور جبروت کی طرف جھانکنا اور اللہ تعالیٰ کے جلال کو تعظیم و محبت اور اطمینان کے ساتھ یاد کرنا اور ان دعاؤں کے ساتھ جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون قرار دیا ہے۔

اور تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف شوق، تعظیم اور محبت کے ساتھ متوجہ ہو اور قرآن کے مواعظ میں تدبر کرے اور اس کے احکام کے انقیاد میں پوری طرح شعور رکھتا ہو اور امتثال کے لئے آمادہ ہو اور اس کے امثال و قصص سے عبرت حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آیات کا ذکر جب اس کے سامنے آئے تو اس کی عظمت کا دل و زبان سے اظہار کرے اور جنت و رحمت کی آیات کے سامنے آنے سے اس کے فضل کا طلبگار ہو۔

اور روح ذکر یہ ہے کہ حضور اور استغراق سے جبروت کی طرف توجہ کرے اور اس سلسلہ میں تہلیل و تکبیر کہنے کی اس قدر مشق بہم پہنچائے کہ حجاب اٹھ جائے اور اس کو مکمل استغراق حاصل ہو جائے۔

اور روح دعا یہ ہے کہ ہر قسم کی طاقت اور برائی سے بچنے کی توفیق من جانب اللہ دیکھے اور خود ایسا ہو جائے جیسا میت غسال کے ہاتھ میں یا تصویر و عکس ہلانے والے اور حرکت دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ مناجات کی لذت بھی پائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو اصول بیان فرمایا ہے کہ تہجد کے بعد نہایت ہی عاجزی سے اور گڑگڑا کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور پھر یہ شرط ہے کہ قلب بھی فارغ ہو لہو و لعب میں مشغول اور غافل نہ ہو اور اس شخص کو بول و براز کا تقاضا بھی نہ ہو اور غصے اور بھوک کی حالت میں بھی نہ ہو۔

جب انسان اس مناجات اور حاضری کی حالت کو پہچان لیتا ہے۔ پھر اگر اس حالت کو گم پاتا ہے تو اس کے اسباب کی کھوج لگاتا ہے، دریافت کرتا ہے۔ اب اگر طبیعت کی قوت اور شدت اس کا سبب ہو تو اس کا روزہ سے علاج کرنا چاہیئے اور اگر مادہ شہوت کا غلبہ ہو تو اپنی ملکیت میں اس مادہ کا استغراق کرے۔ انہماک بھی مطلوب نہ ہو صرف علاج کے طور پر اس طریق کو استعمال کرے اور نیز کھانے پینے سے بھی فارغ ہو۔ اگر اس کا سبب ارتفاقات اور لوگوں کی رفاقت و صحبت ہو تو اس کا علاج کرے۔ ارتفاقات کے ساتھ عبادات کو بھی شریک کرے۔

اور اگر اس کا سبب فکر کے طرف کا۔ مشوش خیالات اور ردی افکار و وساوس سے پُر ہونا ہے تو پھر لوگوں سے الگ ہو جائے اور اپنے گھر یا مسجد کو لازم پکڑے اور اپنی زبان کو بجز اللہ تعالیٰ کے ذکر کے دوسری باتوں سے روک دے اور اپنے قلب کو بجز اس فکر کے جو اس کی ضرورت کا ہو روک دے اور اپنے نفس کی نگرانی کرتا رہے۔ جب نیند سے بیدار ہو تو سب سے پہلے اللہ کا ذکر کرے اور جب سونے کے خیال سے الگ ہو تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اذکار و اوراد کا حکم دیا کہ جن سے دوام اخبات اور تضرع حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح جو شخص صفت

خضوع و اخبات سے آشنا نہ ہو بلکہ اس کی ضد کے ساتھ متصف ہو تو جب ایسا شخص اس مادی عالم سے گزر جائے گا تو اس عالم میں تہ بہ تہ اوپر نیچے ظلمتیں اس پر ہجوم کریں گی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہان جبروت کے انکشاف کا متقاضی ہے اور یہ صفت جس کے ساتھ یہ شخص متصف ہے یہ خشوع کے منافی ہے اور جبروت کے عدم انکشاف کو چاہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا اس کی وجہ سے اس شخص میں نفرت اور تنگی اس کے دل پر ہجوم کرے گی۔ انسان جب اپنے بڑے بزرگوں میں سے کسی کی تعظیم کرتا ہے مثلاً باپ دادا یا مرشد استاد یا نیک دل امراء و ملوک وغیرہ تو اپنے دل ان کے پاس حاضر ہوتے وقت عاجزی پاتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے وہ محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ کوئی بات کہیں حکم دیں تو میں اس کی تعمیل کروں اور اپنے دل میں ایک عجیب ان[illegible] کے قرب کی وجہ سے یہ ایک [illegible] انسان کو اس کا باپ کون [illegible] رہا ہے تو وہ جانتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے تو یقیناً اس کی اطاعت کرے گا اور اس کو اپنے رب کی اطاعت کا وسیلہ خیال کرے گا۔ جب یہ خصلت خضوع اس میں پختہ ہو کر ملکہ بن جائے تو اس کو یوں کہیں گے کہ اس کو اخبات کی خصلت حاصل ہو گئی ہے۔ اخبات کی مشق کرنے والا انسان ہمیشہ تعظیمی آداب کی پابندی اور حفاظت ہر حال میں لازم خیال کرے گا مثلاً بول و براز کے وقت سر جھکا کر اور حیا سے بیٹھے گا اور ذکر کے وقت اپنے اطراف کو جمع کرے گا، اور اس طرح ہر حال میں آداب کی پابندی کرتا رہے گا۔

سماحت

تیسرا خلق ان اخلاق اربعہ میں سے سماحت (فیاضی) ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس خسیس بہیمی دواعی کے سامنے مغلوب نہ ہو۔ لذت کی طلب میں انتقام کی خواہش پورا کرنے میں یا بخل و حرص اور اس جیسی دیگر رذیل خصلتوں میں نفس حقیر اور خسیس جذبات کے تابع نہ ہو۔ سماحت کی خصلت کا ہر شعبہ اس داعیہ کے اعتبار سے الگ الگ نام سے یاد کیا جاتا ہے مثلاً

عفت : اگر نفس داعیہ شہوت فرج اور بطن کو قبول نہ کرے تو وہ عفت (پاکدامنی نزاہت) کہلاتا ہے۔

اجتہاد : اگر نفس رفاہیت یعنی خوشحالی و آرام پسندی کا اور ترک عمل کے داعیہ کو قبول نہ کرے تو وہ اجتہاد کہلاتا ہے۔

صبر : اگر تنگ دلی جزع اور بے صبری کے داعیہ کو قبول نہ کرے تو وہ اجتہاد کہلاتا ہے۔

عفو : اگر انتقام کی خواہش کے داعیہ کو قبول نہ کرے تو وہ عفو (درگذر) کہلاتا ہے۔

قناعت : اگر حرص کے داعیہ کو قبول نہ کرے تو یہ قناعت کہلاتا ہے۔

تقوی : اگر شریعت کی مخالفت کے داعیہ کو قبول نہ کرے جو شریعت نے حدود و مقادیر کی حفاظت کے سلسلہ میں مقرر و معین کئے ہیں تو اس کو تقوی کہتے ہیں۔ خود امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں
وتقوی عبارت از محافظت بر حدود شرع است
(الطاف القدس)

(اور اسی طرح حضرت ابوحسن فارسیؒ فرماتے ہیں: ظاہر تقوی کی محافظت حدود کا نام ہے اور باطن تقوی نیت اور اخلاص)۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ان سب خصلتوں کی اصل ایک ہی چیز ہے اور وہ رائے کلی (عقل تقاضے) کا دواعی خسیسہ بہیمیہ پر غالب ہونا اسی خصلت یعنی سماحت کے اشکال و شعب سے نفس میں ایک معنی داخل ہوتا ہے اور اس کو نفس اپنا ملکہ بنا لیتا ہے یعنی خسیس اور کمینہ دواعی کو نہ قبول کرنے کا ملکہ اس نفس کو حاصل ہو جاتا ہے اور جس وقت یہ خصلت کسی نفس میں راسخ اور پختہ ہو جاتی ہے تو جب یہ آدمی مرتا ہے تو تمام خسیس ہیئتیں جو اس عالم میں اس کے نفس پر ہجوم کرتی تھیں وہ یکسر نیست و نابود ہو جاتی ہیں اور وہ نفس اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح خالص سونا کٹھالی سے نکلتا ہے اس طرح وہ زنگاں بن کر نکلتا ہے اور یہ ایسی خصلت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان قبر کے عذاب سے دور اور بچا رہتا ہے اور صوفیائے کرام اس خصلت کو زہد (دنیا میں بے رغبتی) اور حریت اور ترک دنیا یا قطع تعلقات دنیا اور فناء خسائس بشریہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ منصور حلاجؒ کے اس شعر میں ہے

اطعت مطامعی فاستعبدتنی
ولو انی قنعت لکنت حرا

(یعنی میں نے اپنی طمع اور لالچ کی پیروی کی تو ان چیزوں نے مجھے غلام بنا لیا۔ اگر میں قناعت اختیار کرتا تو آزاد ہوتا)۔

اور اس خصلت کو حاصل کرنے کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ ایسے مواقع و مقامات سے گریز کرے جو اس صفت کے اضداد ہیں اور اپنے قلب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو ترجیح دے اور عالم تجرد کی طرف نفس کا میلان ہو اسی قبیل سے ہے۔ حضرت زید بن حارثہؓ کا قول ہے
"میرے نزدیک دنیا کا سونا اور پتھر یکساں ہیں"۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں (حجۃ اللہ البالغہ) کہ سماحت حقیقت میں اس ہیئت کا نام ہے جو انسان میں کمال مطلوب کی ضد کو پختہ ہونے سے روکتی ہے خواہ علم کمال مطلوب ہو یا عمل کے اعتبار سے۔ سماحت اور اس کی ضد کے بہت سے القاب ہیں۔ جس قسم کی ہو گی اس کے اعتبار سے اس کا نام ہوگا، مثلاً

لی کے اعتبار سے ہو تو اس کا نام سماحت و سخاوت ہوگا اور اس کی ضد شح (بخل) کہلائے گی۔

اور اگر یہ داعیہ شہوت فرج اور بطن سے ہو سماحت میں عفت اور اس کی ضد شرہ (حرص ندیدہ پن) کہلائے گی۔

اگر خوشحالی اور آرام طلبی کے داعیہ اور مشقت کے کاموں سے دور رہنے کے اعتبار سے ہو تو سماحت میں صبر اور اس کی ضد ہلع (شدید جزع اور بے صبری) کہتے ہیں۔

اگر شریعت میں معاصی ممنوعہ کے داعیہ سے ہو تو اس کو تقویٰ کہتے ہیں اور اس کی ضد کو فجور کہتے ہیں۔

اور جب سماحت انسان میں پختہ ہو جاتی ہے تو اس کا نفس شہوات دنیا سے خالی ہو جاتا ہے اور لذات عالیہ مجردہ (عالم بالا اور حظیرۃ القدس کی روحانی لذات) کے لئے مستعد ہوتا ہے۔

امام ولی اللہؒ بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"سماحت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ نفس قوت بہیمیہ کے ولولے کے تابع نہ ہو اور قوت بہیمیہ کے نقوش اس میں متشکل نہ ہوں اور بہیمیت کے ادساخ (میل کچیل) یا آلودگیاں اور اس کا اثر اس پر لاحق نہ ہو کیونکہ جب انسان اپنے امور معاش میں تصرف کرتا ہے اور طور و طریق سے ملنے کا اشتیاق رکھتا ہے اور لذات کے حصول کا خوگر اور عادی ہو جاتا ہے اور کسی خاص طعام کی چاہت کرتا ہے اور پھر ان اشیاء کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے تو خاص کیفیت اور ہیئت اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر انسان کسی پر ناراضگی اور غصہ کا اظہار کرتا ہے یا کسی چیز کے دیکھنے پر غور کرتا ہے تو مذکورہ حالت میں وہ ایک وقت تک مستغرق ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا، لیکن پھر جب یہ حالت اس سے زائل ہو گئی تو اگر آدمی سماحت کی صفت سے موصوف ہوا تو ان چیزوں کی پرواہ نہیں کرے گا۔ ایسا ہوگا کہ گویا کوئی چیز واقع ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر سماحت والا نہ ہوا تو یہ کیفیت اس کے ساتھ چسپاں ہو جائے گی جس طرح انگوٹھی کا نقش موم میں چسپاں ہو جاتا ہے۔ جب اس آدمی کے مادی جسم سے روح مفارقت اختیار کرے گی یعنی طبعی موت سے جب یہ مر گیا اور علائق جسمانی کے تعلقات جو تہہ بہ تہہ اس پر چڑھے ہوئے تھے ان سے جب ہلکا ہو گیا اور اس نے اس چیز کی طرف رجوع کیا جو اس کے نفس کے پاس تھی تو دنیا میں جو چیزیں ملکیت کے منافی اور مخالف تھیں وہ اس میں موجود نہ ہوں گی تو اس کو راحت حاصل ہوگا اور اچھی اور عمدہ عیش میں ہوگا۔

اور بخیل نفوس کے اندر اس بخل کے نقوش متشکل ہوں گے جیسا کہ تم مشاہدہ کرتے ہو۔ بعض آدمیوں کا جب کوئی نفیس مال چوری ہو جاتا ہے تو اگر وہ سخی اور سماحت والا ہوگا تو اس کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرے گا۔

اور اگر وہ رکیک النفس یعنی بخیل کنجوس ہوگا تو اس کی حالت ایسی ہوگی اور وہ واویلا اور جزع فزع کرتا رہے گا۔"

اسی طرح امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ سماحت کے اسباب یہ ہیں کہ اپنے نفس کو سخاوت کا خوگر بنایا جائے اور خرچ کرنے پر ہر وقت آمادہ اور تیار بنایا جائے اور جس نے اس پر ظلم و زیادتی کی ہو اس کو معاف کر دے اور مشکلات کے وقت اپنے نفس کو صبر پر کاربند کرنے کا عادی بنائے۔

امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ نفس کی سماحت اصول اخلاق میں اہم ترین خلق ہے کیونکہ نفس دواعی خسیسہ بہیمیہ کا مطیع نہ ہو یہ اہم بات ہے۔ نفس تو لذت کا طالب ہوتا ہے۔ انتقام کا جذبہ اس میں موجود ہوتا ہے اور وہ انتقام لینا چاہتا ہے اور غضب غصہ کا اظہار بھی چاہتا ہے۔ بخل اور حرص علی المال اور حرص علی الجاہ بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ اور اگر ان دواعی خسیسہ کے مطابق وہ اعمال انجام دے گا تو ان کا رنگ اس کے نفس کے جوہر میں چسپاں ہوگا اور اس میں متشکل ہوگا۔ اگر سماحت والا انسان ہو تو ان خسیس ہیئتوں کو ترک کرنا اس کے لئے سہل ہوگا وہ ان سے چھوٹ کر اللہ کی رحمت کی طرف پہنچ جائیگا اور انوار و تجلیات میں مستغرق ہو جائے گا جیسا کہ نفوس کی جبلت اس کا تقاضہ کرتی ہے اور اگر فیاض اور سماحت والا نہ ہوا تو ان خسیس اعمال کے الوان و رنگ اور دنیا کی چکناہٹ اور آلودگی اس کے نفس میں مل جائے گی اور اس پر سہل نہیں ہوگا کہ وہ ان ہیئات کو ترک کر سکے۔

جب اس کا نفس اس خاکی جسم سے الگ ہوگا تو اس کے گناہ ہر طرف سے اس کا احاطہ کریں گے اور اس کے درمیان اور ان انوار و تجلیات کے درمیان جن کو نفس کی جبلت چاہتی ہے نہایت غلیظ یعنی دبیز حجابات ڈال دیئے جائیں گے اور ان کی وجہ سے وہ اذیت اور دکھ پاتا رہے گا۔

باقی مضمون اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔

محمد نعیم الدین کواس

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی اور اقتصادی اصول

اس کے باوجود کہ سینۂ اکبر کو قلب مجدد کا سوز و گداز نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس کے سامنے صرف مغل شہنشاہیت تھی۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ وہ متفرق فرقوں کے میل ملاپ اور باہمی اتحاد و یگانگت کی بنیادوں پر شہنشاہیت کی تعمیر کرنا چاہتا تھا اور اگرچہ اس کے غیر معمولی غلو نے اس کے قدموں میں وہ لغزش پیدا کر دی جس پر حضرات علماء کو اعتراض رہا، مگر جہاں تک میل ملاپ اور یک جہتی بلکہ جہاں تک ملکی معاملات میں جذباتی ہم آہنگی و اتحاد کا تعلق ہے اکبر ایسا کامیاب رہا کہ اس نے اس اہم آہنگی اور یک جہتی کو سلطنتِ مغلیہ کا طرۂ امتیاز بنا دیا۔

اقدامی جنگ ہو یا دفاعی، بازار تجارت ہو یا کارگاہِ صنعت و حرفت، تمدن کا مسئلہ ہو یا باہمی معاشرت کا مغل شاہنشاہیت کے دور میں ہندو اور مسلمان آپس میں ہمکنار و ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اس زمانہ کا امن و امان، خوشحالی، سکون اور اطمینان بے نظیر ہے۔

عروج ہندوستان کے اس دور میں اگرچہ یورپین نو وارد ہیں اور مجدد صاحب کے الفاظ میں کا زاغِ فرنگ کی حرکتیں بڑھتی رہی ہیں، اور ان میں جارحیت پیدا ہوتی رہی، مگر ان کی گوشمالی کرنے والے ہاتھ بھی بہت مضبوط تھے۔ ملک کی خوشحالی اور قابلِ اعتماد دفاعی طاقت یہ دو وثیقے ایسے تھے کہ حضرات علماء نے ان پر اعتماد کیا اور اہل یورپ کے دفاع کے لئے اپنی طرف سے کوئی پروگرام نہیں بنایا، لیکن جیسے ہی ملک کی قوت دفاع میں کمزوری محسوس ہونے لگی حضرات علماء کی توجہات منصوبۂ دفاع کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کے متعلق آپ کی رائے کچھ بھی ہو مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی شخصیت ایک حد فاصل تھی یہ عروج کی انتہا اور زوال کی ابتدا کے درمیان سیکڑوں ہزاروں سال بعد اور ممکن ہے تاریخ میں پہلی بار ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہوا تھا کہ کابل اور قندھار سے آسام تک تبت اور نیپال سے بندرگاہ سورت کھمبات اور مالابار تک اس کا سیاسی مرکز ایک تھا اور یہ سلطان عالمگیرؒ کی طویل جد و جہد کا نتیجہ تھا۔ مگر افسوس اس کے جانشین اعلیٰ صلاحیتوں سے محروم تھے۔ عالمگیرؒ کی وفات فروری ۱۷۰۷ء، ۲ ذیقعد ۱۱۱۸ھ یوم جمعہ کے بعد قیامت برپا ہوئی کہ شیرازہ ملک کا ایک ایک ورق جدا ہو گیا۔ تخت دہلی کا تاجدار اگرچہ ڈیڑھ سو برس ۱۸۵۷ء تک کوئی مغل شہزادہ ہی ہوتا رہا مگر طاقت فنا ہو چکی تھی اور نظام سلطنت قالب بے جان بن گیا تھا۔ ڈیڑھ سو برس کی تاریخ نہایت آشفتہ اور افسوسناک ہے آشفتگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف پچاس سال کے عرصہ میں ۱۷۰۷ء تا ۱۷۵۷ء تک تخت دہلی پر دس تاجدار بٹھائے گئے اور اتارے گئے۔ ان میں سے صرف چار اپنی موت سے مرے باقی کے سر قلم کئے گئے یا تخت سے اتار کر آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی۔ جیل خانہ کی سلاخوں کے پیچھے فرشتۂ موت نے ان کا استقبال کیا۔ اس داستان کے لئے شاہ ہمارا ماضی جلد اول حصہ دوم عرف داستانِ بربادی ملاحظہ ہو۔

شاہ ولی اللہؒ جن کا نام زیبِ عنوان ہے سلطان عالمگیر کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے ۴ شوال ۱۱۱۴ھ یوم چہار شنبہ ۱۱ فروری ۱۷۰۳ء تخت دہلی پر یہ خوف کے ڈورے اگرچہ آپ کی نو عمری میں ہو رہے تھے مگر قدرت نے آپ کی فطرت کو حساس بنایا تھا۔ قلب کو درد عطا ہوا تھا اور آنکھوں کو بصیرت۔ آپ کے لئے ہر ایک حادثہ درسِ عبرت تھا۔ یہی حساس اور درد تھا کہ ابھی عمر شریف کی تین دہائیاں بھی پوری نہیں ہوئی تھیں کہ آپ نے ایسے سفر کا ارادہ کیا جو آپ کے لئے شفا رُخ بھی ہو اور تسکین درد بھی۔ جہاں آپ پورے عالم اسلام کے لوگوں سے مل سکیں اور وہاں کے حالات معلوم کر سکیں۔ ۱۱۴۳ھ، ۱۷۳۰ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں دو سال قیام فرمایا۔ وہاں دو سال قیام کر کے علمی اور روحانی مشاغل کے ساتھ بڑا کام یہ کیا کہ یورپ، افریقہ اور ایشیا کے زائرین سے ان ممالک کے متعلق پوری معلومات حاصل کیں۔ ترکی حکومت کو اگرچہ سماجی خرابیوں کا گھن لگ چکا تھا، مگر پھر بھی وہ اس زمانے میں ایشیا کی سب سے بڑی حکومت تھی جو یورپ کے بھی ایک حصہ پر قابض تھی اور پورے یورپ پر اپنا

اثر رکھتی تھی ۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس سب سے بڑی حکومت کے اندرونی حالات کا بھی گہری نظر سے جائزہ لیا ۔ آپ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :

احوال ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشا ۔ فقیر است بلاد عرب بنز دیدم احوال مردم ولایت از ثقات اینجا شنیدم ۔

ہندوستان کے حالات ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں کیونکہ وہ خود اپنا وطن ہے جہاں ہم پلے بڑھے اور جوان ہوئے عرب کے ملک ہم نے دیکھے ہیں اور ولایت والوں کے حالات بھی ہم نے وہاں کے ثقہ اور معتبر لوگوں سے سن لئے ہیں ۔

اپنے وطن اور دوسرے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد آپ کے غور و فکر اور آپ کے ذہن رسا نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تمام خرابیاں جو دن بدن بربادی اور تباہی کی طرف سے جا رہی ہیں ان کا اصل باعث وہ نظام ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ پر چھایا ہوا ہے جس کی بنیاد ملوکیت اور شاہ پرستی ہے جس میں کسی وقت کوئی فائدہ تھا تو اب وہ نہیں رہا ہے ۔ وہ اپنی افادیت ختم کر چکا ہے لہٰذا سب سے پہلا کام ہے فک کل نظام یعنی ہر ایک نظام کو شکست دینا اور اس میں انقلاب برپا کرنا ۔ آپ کو معتبر ہی سمجھے اور ذہن میں آپ نے ضمیر کی یہ آواز سنی ۔ فیوض الحرمین میں آپ نے ایک طویل خواب تحریر فرمایا ہے ۔ اسی میں ہے ۔ سألونی ماذا حکم اللہ فی ھذہ الساعۃ قلت فک کل نظام قالوا الیٰ متی قلت الیٰ ان تردنی سکنت بحوالہ محمود پر صنہ ۳۰ ۔ آپ نے اس خواب کی تاریخ بھی تحریر فرمادی لیلۃ الجمعۃ الحادیۃ والعشرین من ذی القعدہ ۱۱۴۴ھ شب جمعہ ۲۱ ذی القعدہ ۱۱۴۴ھ ۵ / مئی ۱۷۳۱ء ۔ پروگرام کے اس پہلے حصے کو کامیاب کرنے کے لئے ضروری تھا کہ حالات کا تجزیہ کر کے خرابیوں کی نشاندہی کی جائے ۔ بڑے بڑے جاگیردار ۔ امراء ۔ نواب اور بادشاہ جو اس نظام کے سربراہ ہیں ۔ ان کے سامنے کھلے طور پر ان خرابیوں کو واضح کیا جائے اور ان کے نتائج بد سے ان کو آگاہ کیا جائے ۔ آپ کی تصنیفات خصوصاً تفہیمات الٰہیہ میں وہ مضمون موجود ہیں جن میں آپ نے سربراہوں کو مخاطب کر کے خرابیاں شمار کرائی ہیں اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے نتائج سے آگاہ کیا ہے لیکن کسی قلعہ کو ڈھا دینا کسی تعمیر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا کوئی مقصد نہیں ہوتا ۔ تخریب اسی وقت قابل قدر ہو سکتی ہے جب مقصد تعمیر ہو لیکن تعمیر کن بنیادوں پر ہو ۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی تصانیف خصوصاً حجۃ اللہ البالغہ میں جہاں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے خرابیاں بیان کی ہیں وہیں ان نظریات اور اصول کی بھی تلقین کر دی ہے جو آئندہ تعمیر کے لئے بنیاد ہونی چاہئیں ۔

اقتصادی اصول

۱ ۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے ۔ مزدور اور کاشتکار قوت کاسبہ ہیں ۔ باہمی تعاون مدنیت ، شہریت کی روح رواں ہے ۔ جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لئے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ۔

۲ ۔ جوا ، سٹہ اور عیاشی کے اڈے ختم کئے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے ۔

۳ ۔ مزدور ، کاشتکار اور جو لوگ قوم و ملک کے لئے دماغی کام کریں دولت کے اصل مستحق ہیں ۔ ان کی ترقی اور خوشحالی ملک کی ترقی اور خوشحالی ہے جو نظام ان قوتوں کو دبائے وہ ملک کے لئے خطرہ ہے اس کو ختم ہونا چاہیئے ۔

۴ ۔ جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے ، مزدوروں اور کاشتکاروں کو بھاری ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے اس کو ختم ہونا چاہیئے ۔

۵ ۔ ضرورت مند مزدور کی رضامندی قابل اعتماد نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امداد باہمی کے اصول پر لازم ہوتی ہے ۔

۶ ۔ جو پیداوار اور آمدنی تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے ۔

۷ ۔ کام کے اوقات محدود کئے جائیں ۔ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیئے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے ۔

۸ ۔ تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے لہٰذا اس کو تعاون کے اصول پر ہی جاری رہنا چاہیئے ۔ پس جس طرح تاجروں کے لئے جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا غلط قسم کے کمیشن سے روح تعاون کو نقصان پہنچائیں ایسے ہی حکومت کے لئے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے یا رخنہ ڈالے ۔

۹ ۔ وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کردے ملک کے لئے تباہ کن ہے ۔

۱۰ ۔ وہ شاہانہ نظام زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کے عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت ختم کی جائے اور ان کو مساویانہ نظام زندگی کا موقع دیا جائے ۔

سیاسیات اور نظام حکومت کے بنیادی اصول

۱۱ ۔ زمین کا مالک حقیقی اللہ اور ظاہری نظام کے لحاظ سے اسٹیٹ ہے ۔ باشندگان

ملک کی حیثیت وہ ہے جو کسی مسافرخانہ میں ٹھہرنے والوں کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حق انتفاع میں دوسرے کا دخل اندازی قانوناً ممنوع ہے۔

۱۲۔ سارے انسان برابر ہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کو مالک ملک، ملک ان کس مالک قوم یا انسانوں کی گردنوں کا مالک تصور کرے، نہ کسی کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی صاحب اقتدار کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرے۔

۱۳۔ اسٹیٹ کے سربراہ کی وہ حیثیت ہے جو کسی وقف کے متولی کی۔ وقف کا متولی اگر ضرورتمند ہو تو اتنا وظیفہ لے سکتا ہے کہ عام باشندۂ ملک کی طرح زندگی گزار سکے۔

بنیادی حقوق۔

حجۃ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ وغیرہ تصانیف میں ارتفاقات مفادات عامہ کے عنوان سے سیرحاصل بحث کی گئی ہے، ان کا احصل یہ ہے:

۱۴۔ روٹی، کپڑا، مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے بلالحاظ مذہب نسل ہر ایک انسان کا پیدائشی حق ہے۔

۱۵۔ اسی طرح مذہب رنگ یا نسل کے کسی تفاوت کے بغیر عام باشندگان ملک کے معاملات میں یکسانیت کے ساتھ عدل و انصاف، ان کے جان و مال کی حفاظت، ان کی عزت و ناموس کی حفاظت حق ملکیت میں آزادی حقوق شہریت میں یکسانیت ہر باشندۂ ملک کا بنیادی حق ہے۔

بین الاقوامی تحفظات

۱۶۔ ان حقوق کو حاصل کرنے کی شکل یہ ہے کہ خودمختار علاقے بنائے جائیں۔ یہ خودمختار اکائیاں اپنے معاملات میں آزاد ہوں گی۔ ہر ایک یونٹ میں اتنی طاقت ضرور ہونی چاہیئے کہ اپنے جیسے یونٹ کے اقدام کا مقابلہ کر سکے۔ یہ تمام اکائیاں ایک ایسے بین الاقوامی نظام بلاک میں منسلک ہوں جو فوجی طاقت کے لحاظ سے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو۔ اس کو یہ حق نہیں ہوگا کہ کسی مخصوص مذہب یا مخصوص تہذیب کے کسی یونٹ پر حملہ کر سکے۔

مذہبیات۔

۱۸۔ (الف) دین اور سچائی کی اصل بنیاد ایک ہے اس کے پیش کرنے والے ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

(ب) سچائی اور دین کے بنیادی اصول تمام فرقوں میں تقریباً تسلیم شدہ ہیں۔ مثلاً اپنے پروردگار کی عبادت اس کے لئے نذر و نیاز، صدقہ و خیرات، روزہ وغیرہ یہ سب کام سب کے نزدیک اچھے ہیں البتہ عمل صورتوں میں اختلاف ہے۔

(د) ساری دنیا کے سماجی اصول اور ان کا منشا و مقصد ایک ہے، مثلاً ہر ایک مذہب اور فرقہ جنسی انارکی کو ناپسندیدہ اخلاقی جرم قرار دیتا ہے۔ جنسی تعلقات کے لئے مرد اور عورت میں ایک معاہدہ ہر ایک فرقہ میں ضروری ہے البتہ معاہدے کی صورتیں مختلف ہیں۔ ایسے ہی ہر ایک فرقہ اپنے مُردوں کو نظروں سے غائب کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ زمین میں دفن کر کے نظروں سے اوجھل کیا جائے یا جلا کر۔

۱۹۔ جہاد ایک مقدس فرض ہے مگر اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدس اصولوں کے لئے انسان اپنے اندر جذبۂ فدائیت پیدا کرے یہاں تک کہ وہ اپنی ہستی ان اصولوں کے لئے فنا کر دے۔

توجہ طلب امور

۱۔ آپ نظریات ملاحظہ فرما چکے۔ بے موقع نہ ہوگا اگر آپ یہ بھی خیال فرمائیں اور پسند کریں تو آپ اس پر فخر بھی کر سکتے ہیں کہ یہ نظریات اسوقت مرتب ہوئے ۱۷۳۱ء کہ انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء جن کو انقلاب پسندان عالم کے لئے نشان راہ کہا جاتا ہے نصف صدی بعد آنے والا تھا اور کمیونزم کے معلم اوّل کارل مارکس اور اس کے نفس ناطقہ اور رفیق عزیز اینگلس کی پیدائش میں پوری ایک صدی اور یورپ میں سوشیلزم اور کمیونزم کے جاری ہونے میں ابھی تقریباً چالیس سال باقی تھے۔

۲۔ نظریات اور اصول پر دوبارہ نظر ڈالئے کیا یہ صرف ہندوستان کے لئے ہیں اور جو سیاسی عمارت ان نظریات اور اصول کی بنیاد پر تعمیر ہو گیا اس کے حدود اربعہ ہمالیہ اور راس کماری اور بحر ہند کی حدود میں محدود رہیں گے یا وہ ہمالیہ کی چوٹیوں سے بھی جست کر کے آگے پہنچیں گے اور دوسری طرف سمندر پار کے ممالک کو بھی اپنے احاطہ میں لے لیں گے۔

۳۔ حضرت مجدد کے الفاظ بھی دہرائیے کیا کافرنگ کے اثرات کو رد کرنے اور ایشیا کو تسلط یورپ سے محفوظ رکھنے کی کوئی صورت اس سے بہتر ہو سکتی تھی کہ پورا ایشیا نہیں ایشیا کے دو چار ملک اپنی سیاست کو ان نظریات پر ڈال لیتے۔

۴۔ ہندوستان اگر اپنے قابل فخر سپوت کے نظریات بالا کو اپنا لیتا تو غور فرمائیے کیا کمیونزم اور سوشلزم یا کوئی بھی ازم کامیاب ہو سکتا تھا اور آج قیادت عالم کا جھنڈا کس کے ہاتھ میں ہوتا۔

۵۔ اس طوائف الملوکی کے دور میں بہت آسان تھا کہ جنگجو سرداروں کی طرح شاہ صاحب بھی تلوار ہاتھ میں لیتے اور فوج بھرتی کر کے کسی علاقہ پر قبضہ کر لیتے، مگر کیا اس سے ہمدردی نوع انسان کا تقاضا پورا ہو جاتا۔

انقلاب کا طریقہ

حضرت شاہ صاحب اہنسا اور عدم تشدد

کے قائل نہیں تھے۔ وہ فوجی قوت سے انقلاب کے حامی تھے مگر وہ فوجی قوت جس کی تربیت جہاد کے اصول پر ہوئی ہو جس کی حقیقت دشمن کشی اور غارتگری نہیں بلکہ اس کی حقیقت ہے محنت جفاکشی، صبر و استقلال، ایثار و قربانی یعنی اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لینا پھر اس مقصد کے لئے اپنی ہر چیز حتیٰ کہ اپنی زندگی کو بھی داؤں پر لگا دینا۔

یا تن رسد بجاناں
یا جان زتن برآید

ایسا جہاد پیشہ ور سپاہیوں کی فوجوں سے نہیں ہوتا بلکہ ان رضاکاروں کے ذریعہ ہو سکتا ہے جن کی تربیت خاص طور پر کی گئی ہو جو نصب العین کو سمجھیں، نظریات کو اپنے جذبات بنالیں اور اصول کے سانچے میں ان جذبات کو ڈھالیں۔ پھر ان کو کامیاب بنا دینے کے لئے اپنے آپ کو تج دینا ان کی زندگی کا آخری اور محبوب ترین مقصود ہو جائے۔ یہ تربیت کس طرح ہو، تربیت دینے والے کون ہوں، مرکز کہاں ہو، شاہ صاحبؒ نے جس طرح نظریات مرتب فرمائے ان کے لئے ٹریننگ کے سینٹر بھی قائم فرما دیئے۔ ان مرکزوں کی تفصیل کے لئے شاہ ولی اللہؒ کی سیاسی تحریک اور علمائے دیوبند کا شاندار ماضی، جلد دوم ملاحظہ فرمائیں۔

پس منظر کے حالات

جن عناصر نے تخت دہلی کو بازی گاہ عروج و زوال بنا رکھا تھا، جہاں پچاس سال میں تخت اور تختہ کے دس تماشے ہو چکے تھے وہ پوری دہلی بلکہ اس وقت کی پوری مملکت پر چھائے ہوئے تھے۔ کسی آواز کو بلند ہونے کا حق نہیں تھا اگر وہ ان کی مرضی کے مطابق نہ ہو۔ عوام کی بیداری ان کے لئے پیغام فنا تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قرآن پاک کا ترجمہ اس وقت کی دفتری زبان فارسی میں کیا تو مولوی نما جاہ پرست مشتعل ہو گئے کہ جب دفتروں کے محرر بھی قرآن شریف کا مطلب سمجھنے لگیں گے تو اقتدار علماء کا سائبان تھامنے والا کون ہو گا۔ ہماری عزت و عظمت خاک میں مل جائے گی۔ اسی غضب اور طیش میں انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہؒ پر قاتلانہ حملہ کرایا جس کی مدافعت قدرت کے اس غیبی ہاتھ نے کی جو تاریخ عالم میں عظمت پانے والوں کی حفاظت پر ایسے موقع پر کیا کرتا ہے۔ (تفصیل کے لئے حیات ولی، شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک، شاندار ماضی جلد ۱ وغیرہ ملاحظہ کیجئے)

تخت دہلی کے لال قلعہ میں جو تاج پوشی اور گردن تراشی کے تماشے ہو رہے تھے وہ خود ایسے ہیجان انگیز تھے کہ صحیح اصول پر کوئی کام اور جد و جہد تو درکنار سنجیدگی اور اطمینان سے صحیح خطوط پر سوچنا اور رائے قائم کرنا بھی دشوار تھا۔ اس اندرونی برہم زنی اور پراگندگی سے زیادہ وحشت انگیز اور لرزہ خیز وہ شعبدے تھے جو سیاست کے خونی بازیگر ان میں مسلسل ہوتے رہے مثلاً:

۱۔ مرہٹے جو سلطان عالمگیرؒ کے دور میں جنوبی ہند میں بھی شکست خوردہ تھے۔ عالمگیرؒ کی وفات ۱۷۰۷ء کے بعد انہوں نے بڑھنا شروع کیا اور ابھی تیس سال پورے نہیں ہو رہے تھے، ۱۱۴۹ھ، ۱۷۳۶ء میں دہلی میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ چند روز قیام کیا بادشاہ سے اپنی مرضی کے مطابق معاہدہ کیا اور رفو چکر ہو گئے۔

۲۔ تقریباً ایک سال بعد نادر شاہ کا مشہور حملہ ہوا جس نے ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ فروری ۱۷۳۸ء میں دہلی میں قتل عام کیا یعنی ہندوستان کی شہ رگ کا خون چوس لیا۔ چند گھنٹوں میں یعنی صبح سے دوپہر تک شہر دہلی مردہ لاشوں سے پٹ گیا۔ مقتولین کی تعداد آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک بیان کی گئی ہے۔ بائیس کروڑ روپے نقد خزانہ شاہی سے اور تقریباً نوے کروڑ کے جواہرات اور تخت طاؤس وغیرہ شاہی محلات اور قلعہ سے لوٹے گئے۔

۳۔ حملہ نادری سے دس سال بعد ۱۱۶۱ھ ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی کا وہ معرکہ ہوا جو معرکہ پانی پت کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد صاحب نظامی میں شاہ صاحبؒ کا ایک مکتوب احمد شاہ ابدالی کے نام بھی ہے جس میں انہوں نے ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دی ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ احمد شاہ کو بلانے والے شاہ ولی اللہؒ یا مسلمان حکمران ہی نہیں تھے بلکہ راجستھان کے مہاراجگان جن کی ریاستیں مرہٹوں کی زد میں تھیں انہوں نے احمد شاہ کو اپنا پناہ گاہ سمجھا تھا اور اس سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ (سیر المتاخرین کے الفاظ یہ ہیں) نجیب الدولہ و جملہ افاغنہ روہیلہ و راجہ ہائے ہندوستان از دست مرہٹہ و عماد الملک) غازی الدین خان بجان آمدہ عرائض خدمت احمد شاہ ابدالی نگاشتہ استدعاء ورود او در ہندوستان کردند۔ اس طرح ابدالی کے مقابلہ میں صرف مرہٹے ہی نہیں بلکہ غازی الدین نائب نظام الملک آصف جاہ والی حیدرآباد بھی تھا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد دوم ص۹۱ و ص۹۵ حاشیہ ص۱۔ ۹ مئی ۱۷۵۲ء رجب ۱۱۶۶ھ کو سورج مل جاٹ نے پرانی دہلی کو لوٹا۔ چونکہ مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ در بدر گلی گلی مارے پھرتے تھے بالکل اسی طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو۔ ہر شخص پاگلوں کی طرح پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔

(باقی تفصیل کے لئے دوسرے شمارے کا انتظار کیجئے)

بنگال میں اشاعت اسلام

حکیم مختار احمد الحسینی

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اس کی صداقت، حقانیت، سچائی، راستبازی، حق و انصاف، عدل و مساوات اور اس کے فطری قوانین کا اثر تھا کہ نہایت ہی قلیل مدت میں اس نے بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ تمام عالم پر اپنی صداقت کا سکہ بٹھلا دیا اور "بحر اٹلانٹک" کے سواحل سے لے کر "بحر بالٹک" کے کناروں تک اور بحر منجمد شمالی" کے برفستان سے لے کر افریقہ کے صحراؤں، ریگستانوں اور برصغیر ہندوستان تک کو اپنی روشنی سے منور کر دیا۔ دنیا کے عظیم و قدیم دو تمدنوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ تاریخ آج تک کسی تہذیب کے اس قدر تیزی و سرعت سے پھیلنے کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اور کیا اتنی جلدی میں یہ جو کچھ ہوا، یہ تلوار کا مرہون منت ہے؟ جن لوگوں نے اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ قوت جس نے اسلام کو اقوام عالم میں پھیلایا تھا، تلواروں اور ہتھیاروں میں بھلا کب پائی جا سکتی تھی۔ یہ تو اسلام کے سچے اصولوں، روحانیت، تربیت اور اخلاقی اصلاحات ہی کا اثر تھا جس نے دنیا کے ہر گوشہ میں بسنے والوں کے دماغوں کو اپیل کی اور پھر اپنی صداقت و حقانیت کا گرویدہ بنا لیا۔ اسلام کے مخالف بھی اسلام کے پاسبان بن گئے۔ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

مسلمانوں کے طرز عمل اور اسلام کی حقیقی خوبیوں نے اتنی زبردست اپیل کی کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں لا الٰہ الا اللہ کی آواز سنائی دینے لگی۔ ہندوستان کی سرزمین میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں جو کام صوفیاء، مشائخ اور علمائے اسلام نے سرانجام دیا ہے وہ مسلمان بادشاہوں کا مرہون منت نہیں ہے۔ سلطان محمود غزنوی اور سلطان محمد غوری نے بے شک ہندوستان میں بسنے والے غیر مہذب قوم سے پنجہ آزمائی کی ہے اور ان کی توڑ پھوڑ کا کام بھی کیا ہے اور بڑے بڑے عظیم معرکے بھی سر کئے گئے ہیں لیکن اشاعت اسلام کے سلسلہ میں جو معرکے سر ہوئے ہیں ان میں خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت بختیار کاکیؒ اور دیگر مشائخؒ کا عمل دخل زیادہ ہی ہے جنہوں نے نہ صرف غیر مسلموں کو اسلام کے زیور سے آراستہ کیا بلکہ اپنے روحانی اور اخلاقی مشن کے ذریعہ مسلمانوں کی تربیت بھی کی۔ ہندوستان کی صدیوں پرانی تہذیب و تمدن اور مذہب تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اسلام کی صداقت اور اس کی عظیم تعلیم کے آگے دم توڑنے لگی۔

صوفیاء، مشائخ اور علماء نے دہلی کو مرکز بنا کر تمام ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اشاعت اسلام کے لئے اپنے تربیت یافتہ افراد بھیجے جو ایمان و عمل کی مکمل اور جاذب تصویر تھے۔ بنگال میں بھی اسلام کا آغاز اور بعد میں وہاں مستقل اسلامی ریاست کا قیام ان ہی بزرگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ شیخ جلال الدین آئینہ ہندوستان شیخ سراجؒ، شیخ علاء الحقؒ بنگالی، حضرت نور قطب عالمؒ، شیخ شاہ جلال الدینؒ جو وسطی بنگال کے غازی اولیاء اور شاہ جلال گجراتی کے حالات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ بنگال میں جس قدر اشاعت اسلام کا کام ہوا ہے اس میں ان بزرگوں کی جدوجہد اور مسلسل

ہندوستان کی صدیوں پرانی تہذیب و تمدن اور مذہب تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اسلام کی صداقت اور اس کی عظیم تعلیم کے آگے دم توڑنے لگی۔

کوششوں کا عظیم دخل ہے۔ اس سلسلہ میں ہندو مؤرخ بھی ہمارے ہم خیال نظر آئیں گے چنانچہ بنگال کی مفصل انگریزی تاریخ میں ایک ہندو اہل قلم کا یہ اندراج ہے:

مسٹر سٹیلپٹن لکھتے ہیں:

"اس زمانے میں بنگال میں اولیاء اور غازیوں کی اتنی بڑی تعداد آگئی تھی کہ خیال ہوتا ہے یہ صورت حال ضرور سلاطین دہلی کی بنگالے کے متعلق کسی سوچی ہوئی پالیسی کا نتیجہ تھی"۔

فی الحقیقت یہ قیاس بے جا نہیں، قرون وسطیٰ کے ان اولیاء کو جو "SOLDIER SANTS" مجاہد

کا اسلام کی تاریخ میں وہی مرتبہ ہے جو صلیبی جنگوں میں ان لٹیرے مجاہدین کا تھا۔ آگے چل کر مضمون نگار ان اسلامی راہنماؤں کے اعلیٰ اوصاف سے متعلق یوں لکھتا ہے کہ:

"اگرچہ ان اولیائے کرام کی اخلاقی حالت مسیحی بہادروں (KNIGHTS) سے بہتر تھی ..."

مزید لکھتے ہیں کہ:

"بلبنی سلاطین کے عہدِ حکومت میں نہ صرف بنگالے میں اسلام کو وسعت نصیب ہوئی بلکہ اس کی بنیادیں بھی اور گہری ہو گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اولیائے کرام نے جو برہمنوں اور ہندو سادھوؤں سے عمل پارسائی قوتِ عمل اور دور اندیشی میں بڑھ کر تھے وسیع پیمانے پر تبلیغ شروع کی جس کے کامیاب ہونے کا باعث یہ طاقت ہی نہ تھی بلکہ ان کا مذہبی جوش اور عملی زندگی تھی۔ وہ نچلے طبقے کے ان ہندوؤں میں بستے (یہ ہندو تہذیب کے قائم کردہ طبقے تھے)"

جو اس وقت بھی (ہمیشہ کی طرح) توہم پرستی اور معاشرتی دباؤ کے پنجے میں گرفتار تھے۔ دیہاتی علاقوں میں یہ باشندے مسلمان ہو کر اسلامی حکومت کے لئے ایک نئی قوت کا ذریعہ ہو گئے۔

بنگالے کی عسکری اور سیاسی فتح کے سو سال بعد (اسلامی) صوفیانہ سلسلوں کی مدد سے جو ملک کے کونے کونے میں پھیل گئے تھے۔ اس سرزمین میں اخلاق اور روحانی غلبہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ مندروں اور ہندو خانقاہوں کو تباہ و برباد کر کے ابتدائی مسلمان فاتحین نے صرف ان کے زر و جواہر پر قبضہ کیا تھا لیکن تلوار کے زور سے تاریخی روایات ختم نہ ہو سکتی تھیں اور نہ ہی ان غیر فانی روحانی خزائن کا خاتمہ ہو سکتا تھا جن پر ہندو قومیت اور ہندو تہذیب کی بنیادیں قائم تھیں۔ مسلمان اولیاء نے اخلاقی و روحانی فتح کے عمل کو مکمل کیا۔ اور اس مقصد کے لئے ہندو دھرم اور بدھ مت کے پرانے استھانوں پر (جو اب برباد ہو گئے تھے) ایک پالیسی کے مطابق درگاہیں اور خانقاہیں قائم کر دیں۔ اس کے دو نتیجے نکلے۔

ایک تو بت پرستی کے ان قدیم استھانوں میں ہندو مت کے واپس کا امکان جاتا رہا اور دوسرے عوام الناس میں ایسے قصے کہانیاں رائج ہو گئیں جن کے مطابق یہ نو وارد قدیمی مقدس ہستیوں کے جانشین ہو گئے۔ ہندو عوام جو صدیوں سے ان مقامات کو مقدس مانتے آئے تھے ان کی پرانی تاریخ کو بھول گئے اور بڑی آسانی سے انہوں نے اپنی ارادت کا سلسلہ ان پیروں اور غازیوں سے وابستہ کر دیا۔ (بیان ڈاکٹر کالی کا راجن قانونگو کا) (مترجم شیخ محمد اکرم ایم اے)

دراصل ان بزرگوں کی کوششوں کے ساتھ ساتھ خود اسلامی تعلیمات اور اس کی صداقت کا بھی بڑا دخل ہے۔ چنانچہ شیخ محمد اکرام صاحب آبِ کوثر ص ۳۲۸ پر رقمطراز ہیں کہ:

"بنگال میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں شاہ جلال الدین تبریزیؒ، حضرت شیخ نور قطب عالمؒ، شاہ جلال تبتی سلہٹیؒ اور ان کے لاتعداد ساتھیوں کا کام قابلِ تعریف ہے۔"

لیکن شاید ان بزرگوں کی کوششوں سے بھی زیادہ اسلام کی کامیابی کی اصل وجہ اسلامی روحانیت اور مساوات تھی۔ اسلام نے شہروں سے زیادہ دیہات میں اور اونچی ذاتوں سے زیادہ نیچی ذاتوں میں فروغ پایا۔ اس کی وجہ ڈاکٹر ہنٹر یہ بیان کرتے ہیں:

"ان لوگوں کے لئے جن میں مفلس، ماہی گیر، شکاری، قزاق اور ادنیٰ قوم کے کاشتکار تھے، اسلام ایک اوتار تھا جو ان کے لئے آسمان سے اترا تھا وہ حکمران قوم کا مذہب تھا۔ اس کے پھیلانے والے باخدا لوگ تھے جنہوں نے توحید و مساوات کا مژدہ ایسی قوم کو سنایا جس کو سب ذلیل و خوار سمجھتے تھے۔ اس کی تعلیم نے صدہا اور سالہا اخوت کا بلند تر تخیل پیدا کر دیا اور بنگال کی کثرت سے بڑھنے والی قوموں کو جو صدیوں سے ہندوؤں کے طبقے سے تقریباً خارج ہو کر بڑی ذلت و خواری کے دن کاٹ رہی تھیں اسلام نے بلا تامل اپنی اخوت کے دائرہ میں شامل کر لیا۔"

(منقول دی پریچنگ آف اسلام ص ۲۸۵)

ہم نے بنگال میں اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں غیر مسلم مورخوں ہی کے حوالے پیش کئے ہیں۔ یہ تھے وہ عظیم لوگ جنہوں نے بنگال کی سرزمین میں اسلام کی قندیلیں روشن کیں اور یہ تھا وہ عظیم مذہب جس نے اپنے محکم اور ہمہ گیر اصولوں اور اپنی صداقت و روحانیت اور عدل و مساوات کے لازوال اصولوں کی بدولت بنگال میں بسنے والی غیر مذہب قوم کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور پھر یہی قوم آشنائے اسلام کی محافظ بن گئی۔ بنگال کے مسلمانوں کی عظیم روایات ہیں کہ انہوں نے ہمیشہ اپنا تعلق علماء، صوفیاء اور مشائخ سے رکھا ہے۔ انگریزی دورِ اقتدار میں بھی انہوں نے اپنی رہنمائی کے لئے دیوبند کی طرف رجوع کیا۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اپنا تعلق وابستہ کیا۔ ان بزرگوں نے بنگال میں جو نقوش چھوڑے ہیں وہ انمٹ ہیں۔ صرف ضلع سلہٹ میں حضرت شیخ مدنیؒ اور زوال پذیر ہندوستان میں یعنی برطانوی سامراج کے دورِ اقتدار میں اسلام کے اس عظیم روحانی، اخلاقی، مذہبی، تبلیغی مشن کو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تحریک اور اکابر دیوبند نے زندہ رکھا جو بیک وقت برطانوی سطوت سے بھی ٹکراتے رہے اور عیسائیت کے بے پناہ سیلاب سے ہندوستان بھر کو محفوظ رکھا۔

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر
کا حوالہ ضرور دیں۔

شکریہ ہفت روزہ عوام دہلی

دارالعلوم دیوبند

کا

ایک تاریخ ساز واقعہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم نے "تاریخ دارالعلوم" کے مقدمہ میں دارالعلوم کے قیام کا مقصد تحریر فرماتے ہوئے صراحت فرمائی ہے کہ قیام دارالعلوم کا اوّلین مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو انگریزوں کے آہنی پنجے سے نجات دلائی جائے کیونکہ ہندوستان پر جب تک برطانوی سامراج مسلط رہے گا وہ اسلامی ممالک پر بھی اپنا قبضہ جمائے رہے گا۔

بانیانِ دارالعلوم کا یہ خیال بالکل صحیح تھا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ہندوستان کے آزاد ہوتے ہی اسلامی ممالک بھی آزاد ہوگئے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کرام سب ہی وہ حضرات تھے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے علمی جانشینوں کے فیض یافتہ تھے۔ یہ دیوبند کی خوش قسمتی تھی کہ یہ فیض یافتہ بزرگ بیک وقت اور مقامات سے زیادہ یہاں جمع تھے۔

۱۸۵۷ء کے جہاد میں ناکامی کے بعد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ جو میدان شاملی (ضلع مظفرنگر) میں بحیثیت امیرالمؤمنین مجاہدین کی رہنمائی فرما رہے تھے مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے۔ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ گرفتار ہوئے اور چھ ماہ کے بعد وہ رہا ہوئے۔ حضرت نانوتویؒ کافی عرصہ روپوش رہے۔ جہاد میں ناکامی کے بعد یہ حضرات خاموش ہوکر بیٹھ نہیں رہے، بلکہ آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تدابیر سوچتے رہے۔ بالآخر جب حالات درست ہوئے اور ہنگامہ دار و گیر سے نجات ملی تو رویائے صادقہ اور بشارات کے اشارہ پر ان بزرگوں نے دیوبند کی مسجد چھتہ میں ایک مدرسہ جاری کیا۔ مدرسہ کے پہلے استاذ کا اسم گرامی "محمود" تھا اور پہلے طالب علم کا اسم گرامی بھی "محمود" تھا۔ استاد بھی محمود اور شاگرد بھی محمود۔ افتتاحی دعا میں کہا گیا،

"الٰہی عاقبت محمود گرداں"

بزرگوں کی دعا قبول ہوئی۔ مسجد چھتہ میں درخت انار کے نیچے شروع ہونے والا یہ مدرسہ دارالعلوم بن گیا۔ اس مدرسہ کے سب سے پہلے طالب علم حضرت مولانا محمود حسن نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں "شیخ الہند" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت مولانا احمد حسن امروہوی محدث کبیر، حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جیسے بیش بہا موتی اور دوسرے مشاہیر مولانا محمد وحید الدین قاسمیؒ علماء کرام آفتاب و ماہتاب بن کر دنیا میں روشن ہوئے۔ دارالعلوم نے اپنی ایک سو سترہ (۱۱۷) سالہ زندگی میں اسلام کی اور مسلمانوں کی اور اپنے وطن عزیز کی نہایت شاندار عظیم الشان قابل فخر خدمات انجام دی ہیں اور خدا سے دعا ہے کہ وہ خدمات کے اس سلسلہ کو دائم و قائم رکھے۔ آمین

اب جبکہ دارالعلوم کا جشن صد سالہ ہو رہا ہے اس موقع پر ایک اہم تاریخ ساز واقعہ قارئین کرام کے سامنے رکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے

دارالعلوم کے سن قیام ۱۲۸۳ھ اور سن رواں ۱۴۰۰ھ کے تقریباً درمیانی عرصہ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم کو ایک شدید ہولناک حادثہ کا شکار ہونا پڑا۔ یہ حادثہ کیوں اور کیسے پیش آیا، اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے:

حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ جو ایک بحر العلوم جید عالم۔ زبردست منتظم۔ انتہائی زیرک و دانا روحانی بزرگ تھے۔ وہ ان دنوں دارالعلوم کے مہتمم تھے۔ وہ مذکورہ بالا صفات کے ساتھ بہترین مردم شناس بھی تھے

وہ طالب علموں کو مدرس اور مدرسوں کو استاذ الاساتذہ بنانے میں ید طولیٰ رکھتے تھے وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے کسی بھی شخص کا چہرہ پڑھ کر اس کے فکر و ذہن اور اس کی استعداد کے مطابق اس کا حسب حال راہ عمل طے فرمایا کرتے تھے اور جس کے لئے جو راہ عمل تجویز فرماتے وہ اسی راہ عمل پر گامزن ہو کر آفتاب بن جاتا تھا۔ یہی اسی طرح کا یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ نے اس وقت کے فخر الاماثل حضرت مولانا محمد طیب مدظلہ کو دارالعلوم میں مدرس، تدریس کی خدمت کے ساتھ دارالعلوم کے نظم و نسق اور اہتمام و انصرام کے لئے بھی

منتخب فرمالیا۔ کام اہتمام کے لئے یہ انتخاب کچھ بزرگوں کو غالباً اس لئے پسند نہیں وہ چاہتے تھے کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب پہلے درس و تدریس کے ذریعہ علمی دنیا میں اونچا مقام حاصل کریں، حالانکہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی دوربین نگاہیں حضرت مولانا محمد طیب صاحب کے علمی و روحانی مقام کو دیکھ رہی تھیں اور اسی کے ساتھ وہ کار اہتمام میں بھی ان کو بہتر و انسب تصور فرما رہے تھے بہرحال اسوقت ایک نعرہ بلند ہوا کہ

"دارالعلوم وقف ہے ارثا نہیں ہے"

اس نعرہ پر دارالعلوم میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ دارالعلوم کی بہترین قد آور علمی شخصیتوں نے دارالعلوم کو چھوڑ دیا۔ اس طرح دارالعلوم اپنی زندگی کے درمیانی حصے میں نشاۃ اولیٰ کی مدت پوری کرکے نشاۃ ثانیہ کی منزل میں داخل ہوا اور قابل صد مبارکباد ہیں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کہ انہوں نے اس شدید ہنگامہ میں ہمت نہیں ہاری اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب کے لئے جو فیصلہ فرما چکے تھے اس پر وہ قائم رہے چھوڑ کر جانے والے بزرگوں کی اہمیت و فضیلت میں کوئی کلام نہیں تھا۔ اس موقع پر اس زیرک و دانا بزرگ نے جانشین شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو مجبور کیا کہ وہ سلہٹ چھوڑ کر دیوبند تشریف لے آئیں۔ سلہٹ میں امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے دارالعلوم دیوبند کے طرز پر ایک عربی درس قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے لئے صدر مدرس اور شیخ الحدیث منتخب کرنے کے لئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے درخواست کی تھی۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے متعدد مشاہیر فضلاء کرام کو اس طرف توجہ دلائی مگر کوئی بھی دیوبند چھوڑ کر سلہٹ جانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو سلہٹ بھیج دیا تھا۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے اصرار پر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ دیوبند تشریف لے آئے۔ دارالعلوم کو چھوڑ کر جو مشاہیر علماء کرام تشریف لے گئے تھے ان کے بعد اگر حضرت مولانا مدنیؒ تشریف نہ لے آتے تو انجام کیا ہوتا؟ یہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دارالعلوم کے بانیان کرام میں جس طرح حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور ان کے رفقاء کرام سرفہرست ہیں ٹھیک اسی طرح نشاۃ ثانیہ کے سربراہوں میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کے اسماء گرامی بھی سرفہرست ہیں

نشاۃ ثانیہ کی ابتداء سے حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے کار اہتمام کو جس خوش اسلوبی سے انجام دیا اس کا نتیجہ آج سب کے سامنے ہے دارالعلوم

مدرسہ اسلامیہ صادقیہ عباسیہ رجسٹرڈ منجن آباد ضلع بہاولنگر

قائم شدہ ۱۳۲۹ھ

سالانہ جلسہ

بتاریخ ۲۔۳۔۴ مئی ۱۹۸۰ء بمطابق ۱۶۔۱۷۔۱۸ جمادی الثانی ۱۴۰۰ھ

بروز جمعہ۔ ہفتہ۔ اتوار نہایت تزک واحتشام سے منعقد ہو رہا ہے: جس میں تمام اکابرین ملت اسلامیہ شرکت فرما رہے ہیں۔

الداعی الی الخیر:۔ حضرت مولانا محمد شریف (صاحب) مہتمم مدرسہ ھذا

فاتح قدسیہ

سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعدؓ نے پہلے قبیلہ اسد کو حکم دیا کہ وہ ہاتھیوں کی مدد کریں۔ انہوں نے برچھیوں سے ہاتھیوں پر زبردست حملے کیے۔ پھر قبیلہ تمیم کو پکارا گیا کہ وہ ہاتھیوں کی ہلاکت کا علاج کریں۔ یہ قبیلہ نیزہ بازی اور تیر اندازی میں بہت ہی زیادہ مشہور تھا چنانچہ قبیلہ تمیم کے بہادر مجاہدین نے اسقدر زبردست تیر برسائے کہ ہاتھی سوار حواس باختہ ہو کر گرنے لگے۔ شام تک دونوں فوجوں کا مقابلہ جاری رہا البتہ جب شام کے بعد تاریکی گہری ہو گئی تو لڑائی بند کر دی گئی۔ جب دوسری صبح طلوع ہوئی تو لڑائی سے قبل شام سے چھ ہزار فوج مزید اس لشکر میں امداد کو پہنچی۔ یہ چھ ہزار فوج حضرت عمر فاروقؓ کے حکم خاص سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے روانہ فرمائی تھی۔ اسلامی فوجوں کے ایک جرنیل قعقاعؓ نے اونٹوں پر کالے برقعے ڈال کر ایک بھیانک صورت پیدا کر دی۔ یہ اونٹ اسلامی فوج لیکر جیاں بڑھتی تو ایرانیوں کے گھوڑے اور ہاتھی بدکتے اور ڈرتے ہوئے بھاگتے۔ اس طرح دوسرا دن بھی شدید ترین لڑائی میں گزر گیا، البتہ اس روز مسلمانوں کو کچھ فوقیت بھی حاصل ہوئی اور بعض روایات کے مطابق اس روز دس ہزار ایرانی قتل کیے گئے اور دو ہزار مسلمانوں کو بھی شہادت نصیب ہوئی۔

تیسرے دن پھر میدان جنگ گرم ہوا۔ اس روز ہشامؓ سات سو سپاہیوں کا مزید لشکر لے کر اسلامی فوج میں آ ملے۔ ہشامؓ کو بھی حضرت ابوعبیدہؓ نے شام سے روانہ کیا تھا۔ ہشامؓ نے مسلمان مجاہدین کو یہ خوشخبری بھی سنائی کہ شام میں مجاہدین اسلام نے متعدد فتوحات حاصل کر لی ہیں، اب ایران کی فتح کا وعدہ انشاء اللہ تمہارے ہاتھوں پورا ہونے والا ہے تو یہ سن کر اس روز مجاہدین اسلام نے زور شور اور جوش و خروش سے ایرانی ہاتھیوں پر حملہ کیا۔ ان کی آنکھوں پر برچھیوں سے حملے کیے اور متعدد ہاتھیوں کے سونڈ بھی کاٹ ڈالے۔ اس غیر معمولی زبردست یلغار سے ہاتھی بدحواس ہو کر الٹے بھاگے اور خود اپنی ہی فوج کو ان ہاتھیوں نے روند ڈالا۔ پھر ہاتھیوں کی دیوار ہٹنے کے بعد لشکر اسلام کو ایرانی سپاہیوں پر براہ راست حملہ کرنے کا کھلا موقع مل گیا۔ ایرانیوں کی ۱۳ صفیں تھیں۔ اس روز جنگ کا ہنگامہ بہت زوروں پر تھا۔ مسلمان بفضل الہیٰ فتح کے آثار دیکھ رہے تھے، مگر ایرانی قطار در قطار دیواروں کی طرح کھڑے پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ آخر سپہر تک مسلمانوں کے پے در پے مسلسل حملوں سے ایرانیوں پر مایوسی کے آثار واضح دکھائی دینے لگے۔ یہ دیکھ کر رستم خود لشکر کے آگے آ گیا۔ اس موقع پر اسلام کے ایک جرنیل حضرت قعقاعؓ نے چند نامور افراد کو خود رستم کی طرف بڑھنے کا حکم جاری کر دیا۔ رستم بھی تخت سے اتر کر مردانہ وار لڑا، بالآخر انتہائی زخمی ہونے کے بعد بھاگ نکلا۔ اسلامی لشکر نے پیچھا کیا جب آگے نہر آ گئی تو رستم نے اس میں چھلانگ لگا دی، مگر ایک مسلمان مجاہد حضرت ہلالؓ کے ہاتھوں قتل ہو گیا (الحمدللہ)۔

(نوٹ) آج بھی مسلمان پہلوان اپنے آپ کو رستم کہلواتے ہیں انہیں نہیں معلوم کہ رستم کون تھا اور کیسی ذلت و خواری کی موت مارا گیا تھا۔ یہ "رستم ہند" وغیرہ کے القابات بھی ابتداء میں انگریز نے ایجاد کیے تھے جو آج بھی پہلوان کو رستم کہنا ضرب المثل بن گئی ہے، مگر یہ سب کچھ اسلام سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو تو صحابہ کرامؓ جو کہ جری اور بہادر تھے جیسے نام رکھنے چاہئیں۔ اللہ تعالٰی توفیق دے آمین۔

ایرانیوں کو جب رستم کا تخت خالی نظر آیا اور مسلمانوں نے جذبات سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے رستم کی موت کا اعلان کیا تو ایرانیوں کے قدم متزلزل ہو گئے۔ مایوسی اور پریشانی کے عالم میں دوڑے بھاگے مسلمان مجاہدین نے تعاقب کیا۔ ایرانیوں کے خلاف مسلمانوں کو شاندار فتح ہوئی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ نے جنگ قادسیہ کی فتح کی خبر تفصیلات کے ساتھ پوری پوری رپورٹ حضرت امیرالمؤمنینؓ کی بارگاہ میں فوراً بھیج

دی ۔ جب حضرت سعدؓ کا قاصد مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو حضرت امیرالمؤمنینؓ نے مدینہ طیبہ سے بہت دور اسے دیکھ لیا ۔ وہیں پہنچ کر اس کے ساتھ سلسلہ گفتگو شروع کر دیا ۔ قاصد نے حضرت امیرالمؤمنین کو نہ پہچانا ، اس لئے وہ گھوڑے پر سوار چلتا رہا حضرت امیرالمؤمنین بھی ساتھ ساتھ دوڑتے رہے اور حالات بھی سنتے رہے ۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے لگے تو کسی آنے والے نے حضرتؓ کو دیکھ کر یا امیرالمؤمنین خطاب کیا تو قاصد مارے ڈر کے کانپ اٹھا ۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کے گھوڑے کی رکاب کے ساتھ دوڑنے والا خود حضرت امیرالمؤمنین ہے ۔ حضرتؓ نے اسے تسلی دی اور فرمایا ایسی کوئی بات نہیں تم اپنی بات پوری کرو مدینہ پہنچ کر حضرت امیرالمؤمنین نے جنگ قادسیہ کی فتح کی خوشخبری سنائی اور اپنے بارے میں بھی فرمایا کہ میں بادشاہ نہیں ہوں ، مسلمانوں کا خادم ہوں ۔

جنگِ مدائن

قادسیہ کی فتح کے بعد اسلامی لشکر چند سرداروں کی طرف توجہ کرتے ہوئے بابل کی طرف بڑھا ۔ بابل میں اگرچہ بڑے بڑے ایرانی سردار تھے ، مگر مسلمانوں کی شاندار فتح کے باعث ایک ہی حملہ میں سب بھاگ کھڑے ہوئے ۔ اب اسلامی لشکر مدائن کی طرف بڑھا ۔ یہ شہر بھی ایران کا پایہ تخت تھا ۔ مسلمانوں اور شہر کے درمیان دریائے دجلہ حائل تھا ۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کے پہنچتے پہنچتے تمام دریا کے پل توڑ دیے دریا میں بھی پانی موجیں مار رہا تھا ، لیکن امیر لشکر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ اس جوش مارتے دریا میں اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا ۔ سردار لشکر کا گھوڑا دریا میں داخل ہوتے دیکھ کر تمام مجاہدین اسلام نے اپنے اپنے گھوڑے دریا میں بے فکر ہو کر ڈال دیے ۔ ان کے توکل اور استقلال کے باعث قدرت نے ان کی مدد فرمائی ۔ گھوڑے دریا میں بھی اس طرح دوڑ رہے تھے جیسے صحرا اور دشت میں دوڑ رہے ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے مکمل اسلامی فوج دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گئی ۔ ایرانیوں نے مجاہدین اسلام کو جب اس بے باکی سے دریا پار کرتے دیکھا تو وہ سخت گھبرا گئے اور "دیو آمدند دیو آمدند" جن وغیرہ آ گئے " کہتے ہوئے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگ نکلے ۔ اسی واقعہ کو حضرت علامہ محمد اقبال مرحوم نے یوں بیان کیا ہے

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

ان ایرانی فوج کا سپہ سالار کچھ فوج لے کر ساتھ مقابلہ میں ڈٹا رہا لیکن الحمدللہ مسلمانوں کے آگے نہ ٹھہر سکا حتیٰ کہ ایران کا بادشاہ اور اس کا خاندان بھی مارا گیا ۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا ۔ دو تین یوم کے اندر اندر شاہی خزانہ اور محل کی نوادرات اکٹھی کی گئیں ۔ سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگ گئے ۔ حضرت سعدؓ اپنے اسلامی لشکر کی دیانتداری سے بڑے متاثر ہوئے ۔ مال غنیمت تقسیم ہو کر پانچواں حصہ مدینہ طیبہ مرکز اسلام میں بھیجا گیا تو حضرت امیرالمؤمنین ایرانیوں کی تہذیب و ثقافت کی مظہر اشیاء کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور مجاہدین اسلام کی امانت و دیانت اور استغنار سے بھی بڑے متاثر ہوئے اور خوشی کا اظہار فرمایا اور لوگ دیر تک وہ اشیاء دیکھتے رہے ۔

جنگِ جلولا

ہزیمت خوردہ ایرانی فوج مدائن کی اس شکست فاش کے بعد جلولا کے مقام میں پناہ گزین ہوئے ۔ رستم کا بھائی فوج کا افسر تھا ۔ اس نے شہر کے گرد خندق کھدوا رکھی تھی ۔ راستوں اور گزرگاہوں میں کانٹے دار گوکھرو بچھا دیے تھے تاکہ اسلامی لشکر آگے نہ بڑھ سکے مگر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے یہ صورتحال حضرت امیرالمؤمنینؓ کو لکھ کر ارسال کر دی ۔ پھر حضرت فاروق اعظمؓ کی ہدایت کے مطابق انکا محاصرہ کر لیا گیا ۔ اگرچہ یہ محاصرہ پورا مہینہ رہا ۔ ایرانی جب حملہ کرتے تو ان کو شکست سے دوچار ہونا پڑتا ۔ ایک روز سخت آندھی آئی اور گہرا اندھیرا چھا گیا ۔ ایرانی مجبوراً واپس پلٹے لیکن اندھیرے اور آندھی کے باعث خندق میں گر کر مرنے لگے ۔ ہزاروں اسی طرح مر گئے ۔ لشکر اسلام نے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا ۔ آخر ایرانی بھاگے تو ان کے بچھائے ہوئے گوکھرو ان کے لئے عذاب بن گئے ۔ ہزاروں کی تعداد میں قتل ہو گئے ۔ فتح جلولا کے بعد جب مال غنیمت پہنچا اور ڈھیر لگ گیا تو فاروق اعظمؓ دیکھ کر رو دیے صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ حضرت رونے کا سبب کیا ہے ؟ تو فرمایا "جہاں یہ مال و دولت آتے ہیں وہاں حسد اور دشمنی کو بھی ساتھ لاتے ہیں ۔"

فتح جلولا کے بعد عراق کی فتح مکمل ہو گئی کیونکہ یہ عراق کی آخری سرحد تھی جسے حضرت سعدؓ کے ہاتھوں فتح نصیب ہوئی ۔ یہ ہے مختصر ترین حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کے کارناموں کا خلاصہ ۔ اس کے علاوہ بھی آپؓ نے بہت اہم کام سرانجام دیے جن کی ہمارے اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں ۔ خدا کے راستہ میں بھی حضرت سعدؓ ہی نے پہلے تیر مارا ہے ۔ تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے ۔ حنین کے سخت ترین لڑائی میں بھی آپؓ کے ہاتھ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جھنڈا دیا تھا جو آپؓ کی عظمت کی علامت تھا ۔ آپؓ کی قبولیت دعا بھی اس دور میں بہت مشہور تھی اس لئے کہ حضرت نبی کریم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ یاالٰہی سعدؓ کی دعا قبول فرمائیے ،

اللهم استجب لسعدؓ اذا دعاك

لوگ اسی وجہ سے ان سے خوف کھاتے تھے کیونکہ ان کو ڈر تھا کہ حضرت سعدؓ بد دعا نہ کر دیں ۔ اس کا سبب بھی یہی تھا کہ آنحضرت علیہ السلام

نے اُن کے لئے دعا فرمائی تھی کہ یا الٰہی سعدؓ کے تیر کو نشانے سے خطا نہ کیجیو اور ان کی دعا کو قبول فرمائیو۔ حضرت سعدؓ اور حضرت زبیرؓ کے واسطے حضرت نبی کریم علیہ السلام نے اپنے والدین کو جمع فرماکر یعنی ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا،

ارم سعد فداك

ابی و امی۔ تیر مار تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ (ترمذی شریف)

یہ روایت حضرت علی المرتضیٰ سے بھی منقول ہے، مگر اس قدر فضیلت کے باوجود بھی ایسے شقی القلب لوگ موجود تھے اور ہیں جنہوں نے حضرت سعدؓ کو بھی معاف نہیں کیا۔ شمائل ترمذی شریف میں خود حضرت سعدؓ سے ایک روایت منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

حضرت سعدؓ بن وقاص کہتے ہیں کہ امت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے کافر کا خون بہایا ہو میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو میں ہوں۔ ہم لوگ اس حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھاتے تھے جس کی وجہ سے منہ کے جبڑے زخمی ہوگئے تھے، اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں نکلا کرتی تھیں؛ اس کے باوجود بھی چند لوگ اسلام کے بارے میں مجھ کو دھمکاتے اور بدنام کرتے ہیں۔ اگر میری دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں تو دنیا اس تنگی اور عسرت میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔ (شمائل)

اس حدیث شریف کے فوائد خصائل نبوی میں حضرت شیخ الحدیث مولانا الشیخ محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس حدیث شریف میں چونکہ امام ترمذیؒ کو صرف اس وقت کی تنگی دکھلانا مقصود تھی اس لئے تمام قصہ کو مختصر کردیا کہ مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ تنگی اور عسرت کی وجہ سے مجاہدین کو غذا بھی نہ ملتی تھی۔ یہ اسلامی فوج درختوں کے پتے کھاکر جہاد کرتی تھی، لیکن حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اپنے مساعی جمیلہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعدؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے آپؓ کی بہت سی شکایات کیں، حتیٰ کہ یہ بھی کہا کہ حضرت سعدؓ نماز تک بھی اچھی طرح نہیں پڑھتے (العیاذ باللہ) حضرت عمرؓ نے آپؓ کو بلوایا اور یہ شکایات دکھائیں (جو لوگوں نے خود جھوٹی بناکر پیش کی تھیں۔ از راقم) اس پر حضرت سعدؓ نے اپنی صفائی میں اپنے قدیم الاسلام ہونے کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کرکے عرض کیا کہ یہ لوگ مجھے نماز تک میں بھی بدنام کرتے ہیں، حالانکہ میں نے جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ (پھر کوفہ میں اس کی تحقیقات بھی کرائی گئی۔ سب نے ان شکایات سے برأت کا اظہار کیا۔ از راقم) سب نے آپؓ کی تعریف کی؛ البتہ ایک شخص نے (جو کہ بے دین تھا) کہا کہ اگر سچ سچ پوچھتے ہو تو حضرت سعدؓ جہاد کے لئے نہیں نکلتے، دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ تو نے تین جھوٹے الزام لگائے ہیں اس لئے تین بددعائیں کرتا ہوں۔ پھر فرمایا: اے اللہ اگر یہ شخص جھوٹا ہے محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے تو ۱۔ اس کی عمر بڑھا دے۔ ۲۔ فقر میں اضافہ کردے اور ۳۔ فتنوں میں مبتلا فرمادے۔ آمین

اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں، فقیر ہوگیا اور فتنہ میں ایسا مبتلا ہوا کہ گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا تو حسرت سے کہتا کہ حضرت سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔ اللهم انی اعوذ بك من غضبك وغضب رسولك وغضب اصحاب رسولك۔ چونکہ یہ مضمون طویل ہوگیا ہے اس لئے حضرت سعدؓ نے اپنے جن تین قصوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس کی قدرے تفصیل کسی اور صحبت میں پیش کروں گا انشاء اللہ۔ بخاری و مسلم شریف کی ایک حدیث آخر میں درج کرتا ہوں۔ حضرت سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے یوم اُحد میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور بائیں دو سفید پوش لوگوں کو دیکھا جو بڑی سخت جنگ لڑ رہے تھے۔ ایسے جنگ جو میں نے نہ تو پہلے دیکھے اور نہ بعد میں اور یہ دونوں سفید پوش حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ یہ بھی کئی ایک کرامات میں سے حضرت سعد کی ایک کرامت تھی کہ انہوں نے ان دو معزز ترین فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

مشیت کا کرم راہِ عمل میں کارفرما تھا
خدا کی رحمتیں تھیں شاملِ اہلِ وفا کیا کیا؛
کبھی جب ذکر آجاتا ہے جنگ قادسیہ کا
بشارت یاب سعدؓ فتح پیکر یاد آتے ہیں
شرف از زخمی جنگی وفا چشم پیمبر میں
شجاعت جن کے حصہ میں بسالت جن کے پیکر میں
جو بے باکی سے گھوڑے ڈالدیتے تھے سمندر میں
ہیں اب وہ رفقائے حق کے خوگر یاد آتے ہیں

ستر برس چند مہینے آپؓ نے عمر پائی۔ جنت البقیع میں ۵۵ھ میں سب عشرہ مبشرہ کے بعد دفن ہوئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

عبداللہ خادم

شراب کی تباہ کاریاں

۱۔ شراب رفتہ رفتہ انسان کے بدن میں معدہ کے فعل کو فاسد کر دیتی ہے۔

۲۔ شراب سے پیٹ بڑھ جاتا ہے۔

۳۔ شراب سے کھانے کی خواہش کم ہو جاتی ہے اور چہرے کا رنگ بگڑ جاتا ہے۔

۴۔ شراب مجموعی حیثیت سے تمام قویٰ پر اثرانداز ہوتی ہے۔ ایک جرمنی ڈاکٹر نے اس کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے:
"جو شخص شراب کا عادی ہے اس کے بدن کی ساخت چالیس سال کی عمر میں ایسے ہو جاتی ہے جیسے ساٹھ سالہ بوڑھے کی"۔

۵۔ شراب جگر اور گردوں کو خراب کر دیتی ہے۔

۶۔ سِل کی بیماری شراب کا خاص اثر ہے۔ یورپ کے شہروں میں سِل کی کثرت کا بڑا سبب شراب ہی کو بتایا جاتا ہے۔ یہاں کے بعض ڈاکٹروں کا قول ہے کہ یورپ میں آدھی اموات مرضِ سِل سے ہوتی ہیں اور آدھی دوسرے امراض میں۔ اس مرض کی کثرت اس وقت سے ہوئی جب سے وہاں شراب کی کثرت ہوئی۔

۷۔ شراب کا اثر عقل پر بھی ہوتا ہے مگر لوگ تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ شراب پی کر جب تک نشہ رہتا ہے اس وقت تک عقل بھی مغلوب رہتی ہے، لیکن اہلِ تجربہ اور ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ نشہ کی حالت خود قوتِ عاقلہ کو ضعیف کر دیتی ہے جسکا اثر ہوش میں آنے کے بعد بھی رہتا ہے۔ بعض اوقات اس کی نوبت جنون تک پہنچ جاتی ہے۔ اطباء و ڈاکٹروں کی متفقہ رائے ہے کہ شراب نہ جزوِ بدن بنتی ہے اور نہ ہی اس سے خون پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آئے بلکہ اس کا فعل صرف یہ ہوتا ہے کہ شراب خون میں ہیجان پیدا کر دیتی ہے جس سے وقتی طور پر قوت میں زیادتی محسوس ہوتی ہے اور یہی خون کا دفعتاً ہیجان بعض اوقات اچانک موت کا سبب بن جاتا ہے۔ ڈاکٹروں کی اصطلاح میں اسے ہارٹ اٹیک کہتے ہیں۔

۸۔ شراب سے شرائین (یعنی وہ دو رگیں جن کے ذریعے بدن میں روح پہنچتی ہے) سخت ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے بڑھاپا جلد آ جاتا ہے۔

۹۔ شراب کا اثر انسان کے گلے اور سانس پر بھی پڑتا ہے جس کی وجہ سے آواز بھاری ہو جاتی ہے اور دائمی کھانسی ہو جاتی ہے۔ وہی آخر کار سِل کی بیماری تک پہنچا دیتی ہے۔

۱۰۔ شراب کا اثر نسل پر بھی پڑتا ہے۔ شرابی کی اولاد عموماً کمزور ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس کا نتیجہ قطعِ نسل تک [illegible]۔ لیکن یہ یاد رہے کہ شراب پینے کی ابتدائی حالت میں بظاہر انسان اپنے جسم میں چستی و چالاکی اور قوت محسوس کرتا ہے، اس لئے وہ لوگ جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ان تمام مذکورہ حقائق کا انکار کرتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ شراب کا یہ زہر ایسا زہر ہے کہ جسکا اثر تدریجی طور پر ظاہر ہوتا شروع ہو جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد یہ تمام نقائص مشاہدہ میں آجاتے ہیں۔

۱۱۔ شراب اکثر لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہے اور پھر اس سے بغض و عداوت کا سلسلہ دُور دُور تک پھیل جاتا ہے، جس کا اثر معاشرہ، تہذیب و تمدن پر بہت بُرا پڑتا ہے۔ اسلام کی نظر میں یہ بہت بڑا فساد ہے جیسا کہ قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان باہمی منافرت پیدا کرے۔

۱۲۔ شراب انسان کو کھلونا بنا دیتی ہے، جسے دیکھ کر بچے بھی ہنستے ہیں کیونکہ اس کی گفتگو اور حرکات غیر متوازن ہو جاتی ہیں۔

۱۳۔ شراب کی وجہ سے مدہوشی کی حالت میں بعض اوقات اپنا پوشیدہ راز جس کے اظہار سے پورے ملک میں انقلاب آسکتا ہے۔ ملکی سیاست اور جنگی مصالح سب برباد ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہوشیار جاسوس ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں؛ لہٰذا ملک کا اعلیٰ

افسران کو اس بارے میں خصوصی طور پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے اور حکمّا اعلیٰ حکام کو متنبہ کی جائے تاکہ ملک تباہی و بربادی کے گھناؤنے اثرات سے بچ سکے۔

۱۔ شراب ام الخبائث ہے اور تمام خواہشات کو جنم دیتی ہے۔ زنا، قتل اکثر اسی کے نتائج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شراب خانے قتل و غارت اور زنا کے اڈے ہوتے ہیں۔

۱۔ نشہ کی حالت میں نہ نماز ہوتی ہے نہ ذکر اللہ اور نہ ہی کسی قسم کی عبادت ہوتی ہے۔

۔ شراب کی مالی مضرات کا ذکر کچھ اس طرح سے ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اگر کسی بستی میں ایک شراب خانہ کھل جائے تو وہ پوری بستی کی ساری دولت سمیٹ لیتا ہے۔ اس کی بے شمار اقسام ہیں اور بعض اقسام تو بے حد گراں ہیں۔ بعض اعداد و شمار کے لکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچ پوری مملکت فرانس کے مجموعی خرچ کے برابر بتلایا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس مختصر سے جملے (شراب ام الخبائث ہے) میں اسی مفاسد اور نقائص کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

ایک جرمنی ڈاکٹر ہنری کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ اگر آدھے شراب خانے بند کر دیے جائیں تو میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور جیل خانے بے ضرورت ہو کر بند ہو جائیں گے۔

ایک فرانسیسی مفکر اپنی کتاب خواطر و سوانح فی الاسلام میں لکھتا ہے کہ بہت زیادہ مہلک ہتھیار جس سے اہلِ مشرق کی بیخ کنی کی جاتی ہے، وہ دو دھاری تلوار جس سے مسلمانوں کو قتل کیا جاتا ہے وہ شراب ہی ہے۔ ہم نے الجزائر کے لوگوں کے خلاف یہ ہتھیار آزمایا۔ لیکن ان کی اسلامی شریعت ہمارے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی اور وہ ہمارے اس ہتھیار سے متاثر نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نسل بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہ لوگ اگر ہمارے اس تحفہ کو قبول کر لیتے جیسا کہ ان کے منافق قبیلے نے اس کو قبول کیا تو یہ بھی ہمارے سامنے ذلیل و خوار ہو جاتے۔ آج بھی جن لوگوں کے گھروں میں ہماری شراب کے دور چلتے ہیں وہ ہمارے سامنے اتنے حقیر و ذلیل ہیں کہ سر نہیں اٹھا سکتے۔

ایک انگریز قانون دان بنتام لکھتا ہے کہ اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب قطعی حرام ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جب افریقیوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان کی نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا اور یورپ کے جن لوگوں کو اس کا چسکا لگ گیا تو ان کی نسلوں میں بھی تغیر آنے لگا۔ لہٰذا افریقہ کے لوگوں میں اس کی ممانعت ہونی چاہیئے اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دی جائیں۔

الغرض جس بھلے مانس نے کبھی ٹھنڈے دل سے غور کیا وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ شراب شیطانی عمل ہے اور تباہی و بربادی کا ذریعہ ہے۔ خواہش کو جنم دیتی ہے اس ام الخبائث سے باز آ جاؤ۔ لہٰذا قرآنی حقائق، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روشن احکام، شرعی قیودات، مشاہداتی تجربات، عقلاء و صلحاء کی آراء، شرفاء کے خیالات انگریز محققین کے اقوال کی موجودگی میں از روئے مسلمان یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ شراب تکالیف میں سکون و راحت تنہائی کا ساتھی ازالۂ غم کا ذریعہ اور دکھ درد کے مداوے کا سبب ہے۔ مزید براں انگریز محققین نے شرعی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے یہ آراء دی ہیں کہ شراب کا کسی صورت میں بھی استعمال درست و جائز نہیں اور اس کے استعمال پر کڑی سے کڑی سزائیں دی جائیں۔ نقلی و عقلی اصول یہ ہے کہ جس چیز میں فوائد کم اور مفاسد زیادہ ہوں اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔

آپ کی خدمت میں پیش پیش
عمدہ کام خوبصورت ڈیزائن
مہران گولڈن ہاؤس
ہر قسم کے
خوبصورت ۔ دیدہ زیب
اور اعلیٰ قسم کے ڈیزائن کے خالص سونے کے زیورات بازار سے بارعایت آرڈر پر بنوانے کیلئے ہماری خدمات حاصل کریں
- - - - - - - -
پروپرائٹر:۔ محمد بخش اینڈ منظور احمد
ریلوے روڈ، پڈعیدن
ضلع نواب شاہ۔ سندھ

توجہ فرمائیں
بعض حضرات کی میعادِ خریداری ختم ہو گئی ہے وہ جلد از جلد رقم ارسال فرما کر اپنا خریداری نمبر جاری رکھیں۔

سالانہ چندہ ... ٦٥/-
ششماہی ... ٣٣/-
سہ ماہی ... ١٧/-

محمد سلیم قریشی

شہر شہر سے — ترتیب: قمر ہاشمی

دارالعلوم دیوبند کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، حضرت عبداللہ درخواستی

حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے اپنے ایک بیان میں فرمایا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا صدسالہ جشن اپنی نوعیت کا واحد جشن ہے جس نے ملتِ اسلامیہ میں ہم آہنگی اور یکجہتی قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ طلباء، حکماء، اخبار نویس اور مشائخ نے پورے عالم میں جو خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابلِ فراموش اور اپنی مثال آپ ہیں۔ دارالعلوم نے اپنے قیام کے بعد سے اب تک کے عرصے میں مذہب کی تبلیغ و ترویج کے سلسلہ میں جو کام کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ اکابر اور علماء امت کے نقشِ قدم پر چلیں تاکہ امت مرحومہ میں بیداری کا پیدا ہو۔

آمد و رفت کا سلسلہ بحال کیا جائے

آزاد کشمیر کے نوجوان عالمِ دین مولانا محمد افضل قادری جشن صدسالہ دیوبند میں شرکت کے بعد گزشتہ روز وطن واپس پہنچ گئے۔ مولانا نے دیوبند کے علاوہ دہلی، سہارنپور، گنگوہ، تھانہ بھون، رائے پور کا بھی دورہ کیا۔ اسلام آباد میں ایک تقریب میں دورہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دیوبند کے صدسالہ جشن میں جموں و کشمیر کے ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کی اور جموں و کشمیر کے چیدہ چیدہ علماء سے گفتگو کا موقع بھی ملا۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں میں جذبۂ آزادی اور پاکستانی مسلمانوں سے گہری محبت پائی جاتی ہے۔ وہ آزادیٔ کشمیر اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں اور کسی صورت میں بھی حقِ خود ارادیت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان آمد و رفت بحال کی جائے تاکہ مسلمانوں کے مسائل حل ہونے میں مدد ملے اور اس سے مسئلہ کشمیر کے خاطر خواہ حل کو تقویت ملے گی۔

اطلاع

جناب میاں محمدی حیات چیلہ آف واصو آستانہ عمرہ کے لئے سعودی عرب تشریف لے گئے ہیں، وہ وہاں ایک ماہ تک قیام کریں گے۔

ملاقاتی حضرات سے درخواست ہے کہ ان کی واپسی تک ملنے کی زحمت نہ اٹھائیں۔

دعاءِ صحت کی اپیل

بھوئی گاڑ۔ دارالعلوم ربانیہ کے مہتمم استاذ العلماء والاطباء مولانا الحاج مفتی حکیم عبدالحیٔ ویگن کے حادثہ میں شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ قارئین ترجمان اسلام سے ان کی صحت کے لئے دعا کی اپیل کی جاتی ہے۔

دعاءِ صحت کی اپیل

مولانا مقبول احمد کے والد گرامی حافظ محمد طارق ناظم شعبہ نشر و اشاعت جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے دادا محترم حضرت مولانا عبدالعزیز خطیب زراعتی فارم ساہیوال خلیفہ مجاز حضرت رائپوری کافی عرصہ سے صاحب فراش ہیں۔ حضرۃ موصوف کے تمام متعلقین و دیگر حضرات سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

کلاآبادی کے مسائل حل کئے جائیں

محلہ کلاآبادی کی آبادی تقریباً ستر ہزار افراد پر مشتمل ہے لیکن یہاں پر آب تک آب رسانی سوئی گیس کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ نیز یہ کہ بجلی کے بل جمع کروانے دُور دراز کے علاقوں میں جانا پڑتا ہے۔

میونسپل کمیٹی، محکمہ سوئی گیس اور واپڈا کے حکام سے درخواست ہے کہ محلہ کلاآبادی کے مسائل حل کئے جائیں۔

تنظیم مغلیہ پاکستان رجسٹرڈ

اظہارِ تعزیت

مجلس تحفظ حقوق اہل سنت جلال پور پیروالہ کا ایک ہنگامی اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر رشید احمد یزدانی منعقد ہوا۔ اجلاس میں:

- مولانا رشید احمد صاحب
- مولانا خدا بخش فاروقی اور
- عبدالرحمٰن جامی النقشبندی نے ممتاز

عالمِ دین مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی اچانک وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے لواحقین اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے آمین۔

مجلس تحفظ حقوق اہلسنت
جلال پور پیروالا

طلباء کی ڈائری — محمد ادریس

مولانا احتشام الحق تھانوی چل بسے

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا احتشام الحق تھانوی چل بسے

ممتاز عالم دین مولانا احتشام الحق تھانوی اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔
اِنّا للہِ وانّا الیہ راجعون

مولانا ایک بلند پایہ عالم اور خطیب تھے انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ بعد ازاں کا لعدم جمعیۃ علماء اسلام کے قیام میں ان کی کوششیں شامل رہیں۔ علماء کے ۲۲ نکات کی ترتیب میں انہوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔

سیاسی اور دینی مسائل میں ان سے اختلاف کیا جاتا رہا اور سیاسی میدان میں بھی بھرپور حصہ لیتے رہے اور موقع کی مناسبت سے کنارہ کش بھی رہے۔ ان کی وفات سے دینی حلقے ایک خلا محسوس کرتے رہیں گے اور وہ اپنی منفرد شخصیت کی بنا پر یاد آتے رہیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی راہنماؤں جناب جاوید ابراہیم پراچہ، جناب ندیم اقبال اعوان، جناب بلال قادری، جناب طارق مسعود، جناب حافظ اطہر عزیز اور پنجاب سندھ کے ظہیر میر، عبدالخالق ندیم نے ان کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

افغانستان پر روسی جارحیت کی مذمت

جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع نوابشاہ کے قائمقام جنرل سیکرٹری جناب غلام محمد خان نے اپنے ایک بیان میں افغانستان میں روسی جارحیت کی مذمت کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ روس کا یہ اقدام عالم اسلام کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے۔ انہوں نے اسلامی ملکوں کے سربراہوں سے بالخصوص اور باقی دنیا کے رہنماؤں سے بالعموم پُرزور اپیل کی ہے کہ وہ روسی جارحیت کو روکنے کے لئے عملی اقدامات کریں۔ انہوں نے افغان مہاجرین کی بھرپور امداد کی اپیل بھی کی۔

قائمقام جنرل سیکرٹری

جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع نوابشاہ (سندھ) کے جنرل سیکرٹری ولی اللہ خان نے اپنی تعلیمی مصروفیات کی بنا پر غلام محمد خان کو ضلع نوابشاہ کا اور عبدالوحید صدیقی کو شہر نوابشاہ کا جنرل سیکرٹری مقرر کیا ہے۔ انہوں نے ایک بیان میں تمام کارکنوں سے اپیل کی ہے کہ وہ متعلقہ امور کے لئے قائمقام جنرل سیکرٹری سے مکمل رابطہ قائم کریں اور ان سے مکمل تعاون کریں۔

سرورِ کائنات ﷺ کا سرمایہ

"عرفان میرا سرمایہ ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا مونس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے، خوف میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، خدا کی رضا میری غنیمت ہے، عاجزی میرے لیے وجۂ افتخار ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے، صدق میرا سفارشی ہے، طاعت میرا بچاؤ ہے، جہاد میرا کردار ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔"

سچے موتی

سفر دو قسم کا ہے، دنیا اور آخرت کا۔ دونوں کے واسطے توشہ درکار ہے۔ دنیا کے سفر میں توشہ ہمراہ رکھنا چاہیئے اور سفر آخرت میں روانگی سے پہلے بھیج دینا چاہیئے۔

دنیا میں دو چیزیں پسندیدہ ہیں:
۱۔ سخن دلپذیر اور
۲۔ دل سخن پذیر